Rs. 20/-

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی
تسکین کا سامان
ماھنامہ خضر راہ

آسان زبان میں اسلامی افکار
وخیالات کا انمول خزانہ
ماھنامہ خضر راہ

سفر وحضر کا بہترین ساتھی
ماھنامہ خضر راہ

سوسائٹی کو سیرت نبوی میں ڈھالنے
کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں
ماھنامہ خضر راہ

ماھنامہ

خضر راہ

Sep. 2013

حرکت زمین کا مسئلہ

چاند کا ثبوت، جدید ذرائع ابلاغ...

زیرِ سرپرستی: داعیِ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

شمارہ 10

جلد 01

ستمبر ۲۰۱۳

شوال/ذی قعدہ ۱۴۳۴

مولانا حسن سعید صفوی

نگراں اعلی شاہ صفی اکیڈمی

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفی ازہری

سرکولیشن منیجر : محمد اختر رضا

کمپوزر : ظفر عقیل سعیدی

تزئین کار : محمد طارق رضا

مدیر اعلی : شوکت علی سعیدی

مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن

معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی

معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

نوٹ: مضمون نگار کے افکار و نظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ

Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263
Shah Safi Academy, BANK OF BARODA, A/c : 48810100001809 IFSC CODE BARBORASKOI, MICR CODE : 21101154

قیمت فی شمارہ	₹ 25 :
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	₹ 40 :
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	₹ 250 :
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	₹ 500 :
لائبریری اور سرکاری ادارے	₹ 500 :
بیرون ممالک	$ 40 :
اعزازی ممبرشپ	₹ 5000 :

ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ

KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
SHAH SAFI ACADEMY
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7752976664

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضر راہ

حمد و مدح:	آسی غازی پوری، منشی عزیز اللہ	۳	عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴
اداریہ:	شوکت علی سعیدی	۵	دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۸
ضیائے حدیث:	ناظم اشرف مصباحی	۱۲	شہ پارۂ اسلاف.:	شیخ شرف الدین یحیٰ منیری	۱۶
اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۱۸	تحقیق:	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۲

علم و عرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
دفن کے بعد میت کے لیے دعا اور تلقین کی شرعی حیثیت	ضیاء الرحمٰن علیمی	۲۶
چاند کا ثبوت، جدید ذرائع ابلاغ اور ہمارا طرز فکر و عمل	ذیشان احمد مصباحی	۲۹
دعوت دین: مقصد اور اسلوب	سید قمر الاسلام	۴۲
قرآن کی اخلاقی تعلیمات	امام الدین سعیدی	۴۶
علم کا مقصود قلب کی پاکی ہے	اشتیاق عالم مصباحی	۴۹
فقہی مسائل میں علمائے دین کے رویے	ابرار رضا مصباحی	۵۲
سخت دل اور نرم دل	رفعت رضا نوری	۵۵
آپ کے SMS	قارئین کرام	۵۹
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱
ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے	ادارہ	۶۳

حمد و مدح

اس سے مل جو ہمیشہ ساتھ رہے

پوچھتے ہو کہ سرِّ وحدت کیا
ما سوا کی بھلا حقیقت کیا
نقد ہستی نثار یار کرے
یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
عاشقی میں ہے محویت درکار
راحت وصل و رنج فرقت کیا
اس سے مل جو ہمیشہ ساتھ رہے
بے وفاؤں سے لطف صحبت کیا
اور ہمت بلند کر اے شیخ
طمع و خوف کی عبادت کیا
آسیؔ مست کا کلام سنو
وعظ کیا، پند کیا، نصیحت کیا

حضرت آسی غازیپوری قدس سرہ

ھوا میں فنا مصطفیٰ کہتے کہتے

کھلا بھید خیر الوریٰ کہتے کہتے
ہوا میں فنا مصطفیٰ کہتے کہتے
مرے منھ سے آنے لگی بوئے نافہ
تری زلف کو مشک سا کہتے کہتے
گئے آدم و شیث و موسیٰ و عیسیٰ
تجھے خاتم الانبیاء کہتے کہتے
شعائیں ہوئیں میری باتوں سے ظاہر
ترے رخ کو شمس الضحیٰ کہتے کہتے
زیادہ ہوئی عقل کل کی بصیرت
تری شان میں ماطغیٰ کہتے کہتے
عزیزؔ آرزو ہے کہ جب موت آئے
دم آخر ہو صل علیٰ کہتے کہتے

منشی عزیز اللہ شاہ قدس سرہ

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے

حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا طالبین اور سالکین کے انجمن میں جلوہ افروز تھے، گفتگو جاری تھی، درمیان میں ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضور الیَدُ العُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الیَدِ السُّفْلَی (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بخاری) کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ عطیات وصدقات لینے والوں میں ہم بعض متقی حضرات کو بھی پاتے ہیں جو اپنی ضرورت کے مطابق لیتے ہیں جب کہ دینے والوں میں غیر متقی حضرات بھی ہوتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: دینے والا اس لیے افضل ہے کہ دنیا اس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے اور جس قدر دنیا اس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے، وہ اسی قدر صفت فقر سے آراستہ ہو رہا ہے، اللہ کا محتاج بن رہا ہے اور اسی قدر وہ بخل کے مرض سے بھی نجات پا رہا ہے، اس وقت وہ تارک الدنیا ہے اور یہ اللہ کو پسند ہے۔

(ترتیب: مجیب الرحمن علیمی)

شوکت علی سعیدی

سائنسی ترقی کی موافقت ناگزیر

اکیسویں صدی کو اگر ترقی کے منتہی کو پہنچی ہوئی صدی تصور کیا جائے تو یہ خام خیالی نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ تمام تصورات جس کا صرف خواب دیکھا جا سکتا تھا وہ آج نظروں کے سامنے ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی ایسی گاڑی ہوتی کہ مختصر سے مختصر وقت میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرلیا جاتا۔ کوئی ایسا آلہ ہوتا کہ ہزاروں میل پر رہنے والے شخص کے احوال کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جاتا۔ یہ سب باتیں کبھی خواب رہی ہوں گی لیکن آج حقیقت میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ جن کاموں کو صرف غیر مادی قوتوں کا سہارا لے کر ہی انجام دیا جا سکتا تھا، اس دور میں وہ تمام کارنامے مادی اسباب کے ذریعے انجام پذیر ہیں۔ ڈھائی دن میں کوئی عالیشان محل ہی نہیں بلکہ ایک شہر کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ بیک وقت کوئی انسان اپنی حاضری ظاہری شکل میں ہزاروں جگہ درج کرا سکتا ہے اور کروڑوں کے مجمع سے بیک وقت خطاب کر سکتا ہے، ان باتوں کو اگر کوئی جھٹلائے تو اسے احمق ترین انسان تصور کیا جائے گا۔

وہ باتیں جو صرف کہانیوں اور داستانوں کی زینت تھیں ان کا حقیقت میں ظہور پذیر ہو جانا عجیب وغریب بات ہے۔ اگر کسی داستان میں ہم یہ کہانی پڑھا کرتے ہیں کہ رات کے چند لمحوں میں ایک دیو ہزاروں میل کے فاصلے پر پرخطر راستوں کو عبور کرتے ہوئے محل سے شہزادے کو اٹھا لے گیا تو آج اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص راتوں رات ہزاروں میل دور امریکہ کے ایک اسکول سے بچے کو اغوا کر کے ہندوستان لے آتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے سن کر کوئی حیران نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے افسانہ تصور کرتا ہے۔

سائنسی ترقی کے اس زمانے میں اس کی تیز رفتار چال نے اپنا اثر ہر شعبے پر ڈالا ہے۔ انسان جس شعبے میں بھی ہو اسے اپنی زندگی کے لمحات اسی سائنسی رفتار کی موافقت کرتے ہوئے ہی گزارنی پڑے گی۔ اس کے لیے درج ذیل امور کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

۱۔ معلومات (Information) کا ذخیرہ۔

۲۔ فوری فیصلے (Quick Decision) کی قوت۔

۳۔ متحدہ قوت (United Power) کی عملی کوشش۔

۴۔ جمہوری نظریہ (Democratic Concept) پر عمل۔

یہ چاروں ایک دوسرے سے منسلک (interlinked) ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے حصول کے لیے بقیہ امور کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے۔ اب آیئے ان چاروں کے ہونے کے فوائد اور نہ ہونے کے نقصانات پر غور کریں۔

۱۔معلومات(Information) کا ذخیرہ:

معلومات کا تعلق علم سے ہے۔علم کا اصل مقصد اس قدر معلومات کا حصول ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر اس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔موجودہ زمانے کو علمی انفجار (Information Explosion) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔کسی زمانے میں مذہبی کتابوں کے علوم کے ساتھ علم طب وحکمت، علم نجوم، علم فلکیات اور علم فلسفہ جیسے چند علوم کو ایک استاذ کی موجودگی میں حاصل کیا جا سکتا تھا۔لیکن آج انہی علوم کو اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ ہر ایک موضوع کے لیے باضابطہ شعبے قائم ہو چکے ہیں اور پھر اس شعبے میں درجنوں موضوعات پڑھائے جاتے ہیں۔

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں تمام علوم کا جامع ہوں تو اسے سر پھرا گردانا جائے گا، کیونکہ علوم کی وسعت یہ اجازت نہیں دیتی کہ کسی شخص نے اس مختصر زندگی میں تفسیر کی تمام قدیم وجدید کتابوں کا مطالعہ کر لیا ہو اور ان کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہو ساتھ ہی ساتھ حدیث کی کتابوں اور اسماء الرجال پر بھی دسترس رکھتا ہو، ایسے ہی تمام ائمہ کے فقہ سے واقف ہو اور ان کی تمام باریکیوں کو اس طرح جانتا ہو کہ اس کا کوئی ہم پلہ نہ ہو اور موجودہ معاون علوم تاریخ، جغرافیہ، معاشیات، سماجیات اور سائنسی علوم بھی اسے حاصل ہوں۔

یہ تو شخصی بات ہوئی اسی طرح کوئی ایک شعبہ (Department) یہ دعویٰ کرے کہ میرا شعبہ کسی دوسرے شعبے کی مدد کے بغیر اپنے سارے کام کو سرانجام دے سکتا ہے تو یہ دعویٰ ناممکن ثابت ہوگا اور اس شعبے کے ذمہ داران کو خبط الحواس کا لیبل لگا کر سوسائٹی سے خارج سمجھا جائے گا۔

لہٰذا دور حاضر میں کسی ایسے بڑے مسئلے کا حل جس کا تعلق جماعت سے ہو، کوئی ایک شخص نہیں کر سکتا بلکہ اسے درجنوں ماہرین (Specialist) کی مدد (یعنی متحدہ قوت United Power) کا سہارا لینا پڑے گا۔

ان حقائق کی موجودگی میں یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو جاتا ہے کہ ہم عملی زندگی میں ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہیں۔اگر دست تعاون دراز نہیں کرتے ہیں تو سائنسی ترقی ہمیں مردہ اور مجنوں ثابت کرنے میں ذرہ برابر بھی گریز نہیں کرے گی۔

۲۔فوری فیصلے (Quick Decision) کی قوت

دور حاضر میں فوری فیصلے (Quick Decision) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔کسی زمانے میں کسی مسئلے کے حل کے لیے برسوں غور کیا جا سکتا تھا اور عوام الناس کو اس وقت تک روکا جا سکتا تھا جب تک فیصلہ نہ آ جائے۔لیکن آج اگر انتظار میں ڈالا گیا تو زمانے کی رفتار خود بخود اسے حل کر دے گی اور وقت نکلنے کے بعد عموم بلویٰ اور حاجت وضرورت جیسے فقہی اصطلاح کا سہارا لے کر مجبوراً اس فیصلے کو قبول کرنا پڑے گا۔اس کی کئی مثالیں ماضی قریب میں دیکھنے کو ملیں۔مثلاً، ٹیلی ویژن، لاؤڈ اسپیکر، فوٹو گرافی اور ان جیسے دیگر مسائل۔

فوری فیصلے (Quick Decision) کا مدار جامع علوم کی موجودگی پر ہے اور جامع علوم کا حصول جمہوری نظریہ (Democratic Concept) پر عمل کیے بغیر ممکن نہیں ساتھ ہی ساتھ فوری فیصلے کے لیے متحدہ قوت (United Power) کو بروئے کار لانا ہوگا۔

۳۔متحدہ قوت (United Power) کی عملی کوشش

تصور جماعت اور رفاقت (Concept of Union and Company) کے اس دور میں کوئی بھی بڑا کام تنہا انجام نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ انفرادی اور منتشر قوتوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ مثلاً انفرادی طور پر اگر کوئی شخص درجنوں کتاب تصنیف کرلے تو وہ اس جماعت کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس کے پاس چند کتابیں ہی ہوں لیکن ایک جماعت (Company) اس کے ساتھ ہو۔ کیونکہ کسی دور میں کتاب کی تصنیف کافی تھی، لیکن آج کتابوں کے ساتھ کئی دوسرے لوازمات ہیں جس کے لیے دوسرے افراد سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی مندرجہ بالا امور کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۴۔جمہوری نظریہ (Democratic Concept) پر عمل

پوری دنیا کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ملک بادشاہی نظریہ (Kingdom Concept) کے زوال کے بعد کلی یا جزوی طور پر جمہوری نظریے پر عمل پیرا ہے۔ زمانے کی تیز رفتار ترقی نے ملکوں کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اپنی بقا کے لیے اقوام متحدہ U.N.O کے ماتحت رہیں، جو کہ جمہوری نظریے پر قائم ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ جو جس ملک میں رہ رہا ہو اس ملک کے قوانین و اصول کے اثرات اس کی روزمرہ زندگی پر مرتب ہوں گے۔ اگر کوئی اپنے ملک کے قوانین کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کی دو ہی صورت ہوگی یا تو وہ باغی گردانا جائے گا یا پھر عقلاً معذور سمجھا جائے گا۔ غور و فکر سے کام لیں تو پتہ چلے گا کہ اس جمہوری نظریے کے اثرات سے کوئی شعبہ خالی نہیں ہے۔ ایسے حالات میں اگر کوئی شعبہ یا فرد جمہوری نظریے (Democratic Concept) پر عمل کرنے کے بجائے شاہی نظریے (Kingdom Concept) کی ہی راگ آلاپے تو اس شعبے یا اس فرد کو قبولیت کے کس زمرے میں رکھا جائے گا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جمہوری نظریہ یہ ہے کہ ہر شعبے اور ہر فرد کی رائے اور تجاویز پر غور کیا جائے اور ان پر نظر رکھتے ہوئے ہی کوئی فیصلہ صادر کیا جائے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں کسی بھی شعبے کی ترقی اور موثر ہونے کا راز صرف اور صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس کسی نے زمانے کی چال کی شناخت کی اور اپنے زمانے کے حقائق سے آنکھ چرانے کے بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مقاصد کے حصول میں گامزن رہا تو وہ کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا چلا گیا۔ اس مختصر تحریر کے ذریعے یہ دعوت فکر دی جاتی ہے کہ اپنے زوال و نقصان کا الزام کسی پر ڈالنے کے بجائے چند منٹ اس طرف توجہ دیں کہ مذہبی شعبے کی خستہ حالی کی وجہ کہیں یہ تو نہیں کہ زمانے کے حقائق سے بار بار آنکھیں چرانے کی کوشش کی جارہی ہے اور حالات کے تقاضے اور وقت کی پکار کو نہیں سمجھا جارہا ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

***

ذیشان احمد مصباحی

حرکت زمین کا مسئلہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ(۲۱) الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ(۲۲) (بقرہ)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تا کہ تمھیں تقویٰ حاصل ہو۔ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ لگایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو پیدا کیا۔ لہٰذا حقیقت جانتے ہوئے دوسروں کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ کی ربوبیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے یہ بھی کہا کہ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا۔ (الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فراشاً کی تفسیر بساطاً و مناماً (بستر اور خواب گاہ) سے کی ہے۔

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس للفیر وزآبادی)

یہ تفسیر لغت، عقل اور سائنس تینوں کے قریب ہے۔ اس لیے کہ فراش کے معنی لغت میں بستر کے ہی آتے ہیں جس پر سویا جاتا ہے۔ کائنات کو دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اللہ نے انسان کے لیے ایک گھر بنا دیا ہو جس کا فرش زمین اور چھت آسمان ہے۔ سائنسی لحاظ سے بھی یہ بات اس لیے درست ہے کہ سائنسی تحقیقات کے مطابق پوری کائنات میں واحد زمین ہی ایک ایسا سیارہ ہے جس پر انسانی زندگی کی راحت و آسائش کے سامان مہیا ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے فراشاً پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زمین کے فرش ہونے کے لیے اس کا ساکن ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ مثال کے طور پر اگر زمین کی حرکت اوپر سے نیچے کی طرف ہوتی تو کسی انسان کو اگر زمین پر گرایا جاتا تو وہ کبھی زمین تک نہیں پہنچ پاتا، کیوں کہ اس کے زمین پر آنے سے پہلے زمین بہت نیچے جا چکی ہوتی۔ اسی طرح اگر زمین بالفرض مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتی اور کسی شخص کو مغرب کی طرف جانا ہوتا تو وہ کبھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا، کیوں کہ اس کے وہاں پہنچنے سے قبل زمین آگے بڑھ جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین ساکن ہے متحرک نہیں۔ (خلاصۂ بحث تفسیر رازی زیر آیت مذکور)

امام فخر الدین رازی کا مقام علم و فن بہت بلند ہے لیکن اس کے باوجود ان کا یہ استدلال اس سائنسی عہد میں نا قابل فہم ہے، کیوں کہ:

۱۔اوپر سے نیچے اترتے جہاز میں ہم اگر اوپر سے نیچے کوئی چیز گراتے ہیں تو وہ جہاز کے اندر نیچے گر جاتی ہے جب کہ جہاز کی رفتار اس چیز سے سیکڑوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ہم پورب سے پچھّم چلتی ہوئی ٹرین میں پچھّم کی طرف چلتے ہوئے انجن تک پہنچ جاتے ہیں جب کہ وہ کئی سو کیلومیٹر فی گھنٹہ رفتار سے دوڑ رہی ہوتی ہے۔

۳۔ہم چلتی ٹرین میں اوپر سے نیچے گیند گراتے ہیں تو وہ ٹھیک اپنی سیدھ میں گرتی ہے جب کہ گیند کے اوپر سے نیچے آنے تک ٹرین اس جگہ سے کئی میٹر کا فاصلہ طے کر چکی ہوتی ہے۔

جب کہ امام رازی کی بات مان لی جائے تو نہ اوپر سے آتے ہوئے جہاز میں کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے، نہ ہم چلتی ٹرین کے اندر آخری ڈبے سے چل کر انجن تک پہنچ سکیں اور نہ اس کے اندر اوپر سے گیند گرانے میں ٹھیک اپنی سیدھ پر نیچے گرے۔امام رازی کا استدلال فلسفیانہ مفروضات پر مبنی ہے جسے موجودہ سائنسی تجربات نے مسترد کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن میں زمین کے لیے **فراش** (بستر، Bed) **مهد** (جھولا، Cradle) **قرار** (جائے سکونت، Residence) **ذلول** (نرم، Subservient) **بساط** (بستر، Bed) جیسے الفاظ آئے ہیں۔ان تمام الفاظ سے قطعی طور پر صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین ایک نرم بستر کی مانند ہے۔جس طرح بچہ جھولے کے اندر لطف وقرار پاتا ہے اسی طرح انسان کو زمین پر لطف وقرار حاصل ہے۔اس کے علاوہ ان الفاظ سے نہ تو قطعیت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین گولی یا چپٹی ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین ساکن یا متحرک ہے۔خود امام رازی نے بھی اس مقام پر یہ بات تسلیم کی ہے کہ زمین کے فرش ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چپٹی ہو گولی نہ ہو۔زمین گولی ہو، چپٹی ہو، متحرک ہو یا ساکن ہو، بہر صورت قرآن کے یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہوں گے اور ان کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔نہ زمین کا ساکن ہونا قطعی قرآنی عقیدہ ہے اور نہ ہی اس کا متحرک ہونا۔زمین کے حرکت وسکون سے متعلق عہد قدیم سے عہد جدید تک اختلافات رہے ہیں اور ان اختلافات کا براہ راست قرآن سے کوئی تعلق نہیں، نہ قرآن کے نزول کا مقصد براہ راست ان حقائق کا انکشاف ہے۔قرآن کتاب ہدایت ہے، نہ کہ کتاب سائنس۔یہ اور بات ہے کہ قرآن میں جا بجا سائنسی حقائق کی طرف اشارات موجود ہیں۔اب جو اشارہ قطعی نہ ہو، ظنی ہو اسے قطعی کے درجے میں رکھنا غیر علمی رویہ ہے۔البتہ اتنی بات مسلم ہے کہ قرآن کے نصوص سے بظاہر حرکت شمس اور سکون زمین کا اشارہ ملتا ہے لیکن یہ اشارہ قطعی نہیں ہے۔اس لیے بعض جدید مفسرین جو حرکت زمین کے قائل ہیں وہ ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جن سے حرکت زمین کے بجائے سکون زمین کا ثبوت ہوتا ہے۔زمین کے حرکت وسکون سے متعلق اہل فلسفہ اور اہل سائنس کے جو اختلافات ہیں ان کی ایک جھلک یہاں قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔جناب طارق اقبال اپنے مضمون ''سورج ساکن نہیں ہے۔'' میں لکھتے ہیں:

''زمانہ قدیم سے لوگ صرف ان ہی سات سیاروں سے واقف تھے جو ان کو نظر آتے تھے۔ان میں مشتری، زہرہ، مریخ، جوپیٹر، سیٹرن، چاند اور سورج شامل تھے۔ابتدائی نظریہ یہی تھا کہ زمین ساکن ہے اور یہ سب زمین کے گرد گردش کرتے ہیں، جیسا کہ عموماً نظر آتا ہے۔چنانچہ تقریباً ۳۵۰ر

سال قبل مسیح میں یونان کے فلاسفر ارسطو (Aristotle) نے یہی نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج سمیت تمام سیارے اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ پھر ۲۵۰ رسال قبل مسیح میں یونان کے ایک اور فلاسفر اور ہیئت دان فیثاغورث (Aristarchus) نے ارسطو کے نظریے کی مخالفت کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج ساکن ہے اور ہماری زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ نیز ہماری زمین کے علاوہ اور بھی بہت سارے سیارے سورج کے گرد گھوم رہے ہیں۔ فیثاغورث ہی وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے سورج کے ساکن ہونے کا نظریہ پیش کیا تھا مگر یہ نظریہ زیادہ مقبول نہ ہوا اور لوگوں کے ذہنوں پر ارسطو کا نظریہ چھایا رہا۔

بعدازاں ۱۴۰ عیسوی میں یونان کے فلاسفر بطلیموس (Ptolemy) نے علم ہیئت کے متعلق وہی پہلا نظریہ پیش کیا کہ حقیقت میں ہماری زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہ وہی نظریہ تھا جو ارسطو نے پیش کیا تھا۔ چنانچہ ارسطو اور بطلیموس کا پیش کردہ نظریہ ۱۸۰۰ سال تک دنیا بھر میں مشہور و مقبول رہا۔ بالآخر یورپ کے ایک ہیئت داں کوپرنیکس (۱۴۷۳۔۱۵۴۳) نے سولہویں صدی میں یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے اور ہماری زمین اپنے محور کے گرد بھی گھومتی ہے اور سورج کے گرد بھی سال بھر میں ایک چکر لگاتی ہے۔ لیکن کوپرنیکس کے بعد ڈنمارک کے ہیئت دان ٹیکو براہی (Tycho Brahe) (۱۵۴۶۔۱۶۰۱) نے کوپرنیکس کے نظریے کو رد کر دیا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد اسی پہلے بطلیموس کے نظریے کو ہی صحیح قرار دیا جس کے مطابق زمین ساکن اور سورج نیز دوسرے تمام سیارے اس کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔ بعدازاں ٹیکو براہی کے اسسٹنٹ کیپلر (Kepler) (۱۵۴۶۔۱۶۳۰)، اٹلی کے ہیئت دان گلیلیو (Galileo) (۱۵۷۱۔۱۶۴۲) اور نیوٹن (Newton) (۱۶۴۲۔۱۷۲۷) نے اپنی تحقیقات کے ذریعے کوپرنیکس کے نظریے کی حمایت کی (کہ سورج ساکن ہے اور زمین سمیت تمام سیارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔) اور جدید فلکیات کی بنیاد رکھی جسے کوپرنیکس تحریک (Copernican Revolution) کا نام دیا گیا۔ بعدازاں کئی ہیئت دانوں نے اس نظریے کی تائید جاری رکھی تا آں کہ ۱۹۱۵ میں مشہور سائنس داں البرٹ آئن اسٹائن نے نظریۂ اضافیت (Theory of Relativity) پیش کیا۔ اس تھیوری کی رو سے تمام اجرام سماوی خواہ وہ ستارے ہوں یا سیارے وہ گردش میں ہیں۔ چنانچہ آج جدید نظریہ یہی ہے کہ سورج متحرک ہے اور آٹھ سیارے اس کے گرد محو گردش ہیں اور ہمارا سورج اپنے پورے خاندان (نظام شمسی) سمیت ملکی وے کہکشاں (Milky Way Glaxy) کے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے۔

یاد رہے کہ اسلامی اندلس کے نامور سائنس داں ابواسحاق ابراہیم بن یحی زرقالی قرطبی (Arzachel) نے ۱۰۸۰ عیسوی میں سورج اور زمین دونوں کے محو حرکت ہونے کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کے مطابق سورج اور زمین میں سے کوئی بھی مرکز کائنات نہیں اور زمین سمیت تمام سیارے سورج کے گرد بیضوی مداروں میں حرکت کرتے ہیں۔ مگر یورپ نے اس نظریے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔''

(دیکھئے: http://quraniscience.com)

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۸۵۶۔۱۹۲۱) آئن اسٹائن (۱۸۷۹۔۱۹۵۵) کے معاصر و پیش رو ہیں۔ آئن اسٹائن کے برخلاف آپ نے حرکت شمس اور سکون زمین کے نظریے پر کئی کتابیں لکھیں اور متعدد دینی نصوص اور علمی دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا۔ معاصر شامی ہیئت داں کیپٹن نادر جنید (پ: ۱۹۵۳) بھی اسی موقف کے حامی ہیں۔ موصوف ۲۰/جدید سائنسی دلائل اور ۱۱/قرآنی آیات سے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں اور حرکت زمین کے نظریے کو رد کرتے ہیں اور اپنے اسی نظریے کے مطابق شب و روز کے اوقات اور تبدیلیوں کی مکمل تشریح کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری عصر حاضر کے ایک معروف و مشہور اسکالر اور اسلامیات پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ موصوف اپنی کتاب ''اسلام اور جدید سائنس'' میں ''گردش آفتاب'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''سائنسی علوم کی تاریخ میں یہ جھگڑا ہمیشہ سے برقرار رہا ہے کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے یا زمین ساکن ہے اور سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین سورج کے گرد محو گردش ہے اور سورج بھی ساکن نہیں ہے جیسا کہ قدیم نظریات میں خیال کیا جاتا تھا۔

ہماری کہکشاں ملکی وے (Milky Way Glaxy) دراصل ایک چکردار کہکشاں (Glaxy) ہے۔ اس کے چار بازو ہیں جن میں واقع کروڑوں ستارے کہکشاں (Glaxy) کے مرکز کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ سورج بھی اپنے ساتھی ستاروں کی طرح کہکشاں کے مرکز سے ۳۰۰۰۰ نوری سال کے فاصلے پر کہکشاں کے ایک بازو ''اورین آرم'' (Orin Arm) میں واقع ہے اور کہکشاں کے مرکز کے گرد ۲۲۰۰۰۰۰۰۰ سال میں اپنا ایک چکر پورا کرتا ہے۔

سورج کی اس گردش کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے، فرمایا:

والشمس تجری لمستقر لها ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔ (یس:۳۶:۳۸)

اور سورج اپنے لیے مقرر کردہ راستے پر چلتا ہے، یہ (راستہ) غالب علم والے (اللہ) کا مقرر کردہ ہے۔''

(اسلام اور جدید سائنس، ص:۲۵۹، ۲۶۰، جیلانی بک ڈپو، دہلی)

خلاصۂ بحث یہ کہ زمین و سورج کی حرکت و سکون سے متعلق مسلم و غیر مسلم فلاسفہ اور علما کے تین نظریات ہیں:

۱۔ زمین ساکن اور سورج متحرک ہے۔

۲۔ سورج ساکن اور زمین متحرک ہے۔

۳۔ زمین اور سورج دونوں متحرک ہیں۔

ان میں پہلا نظریہ کتاب و سنت کے ظاہر نصوص کے مطابق ہے جب کہ دونوں آخری نظریات کے لیے بھی مسلم علما نے کتاب و سنت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی موقف قرآن کی صریح اور ناقابل تاویل آیت سے ثابت نہیں ہے اس لیے تینوں میں سے کسی بھی نظریے پر کفر و گمرہی کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں اصل بات یہ ہے کہ پوری انسانیت اس رب کی عبادت کرے جس کی کائنات کو سمجھنے میں اب تک عقلیں دنگ ہیں۔

***

ناظم اشرف مصباحی

بھیک مانگنا کس کے لیے جائز اور کس کے لیے ناجائز

مسلم وابوداؤد شریف میں حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں ایک بڑی رقم کا مقروض ہو گیا تھا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں، آپ نے فرمایا اس وقت تک ہمارے پاس ٹھہرو جب تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے، ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم کریں گے۔ پھر فرمایا:

يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ، تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ - وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ - أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ - فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتًا يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ)

''اے قبیصہ! تین شخصوں کے علاوہ کسی اور کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، ایک وہ شخص جو مقروض ہو، اس کے لیے اتنی مقدار میں مال کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے، اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے، دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کوئی آفت ناگہانی پہنچی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو، اس کے لیے اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گذارہ ہو جائے، تیسرا وہ شخص جس کو فاقہ پہنچا ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقل مند آدمی اس بات پر گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنے مال کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گذارہ ہو جائے اور اے قبیصہ! ان تین شخصوں کے علاوہ کسی اور کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ اور جو (ان کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔''

اس حدیث کے تحت شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشہ ور گداگری اسلام میں ناجائز ہے۔ اور اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ پیشہ ور گدا گروں کے خلاف قانونی کاروائی کرے۔ آج کل بعض لوگ مصنوعی طور پر اور بعض عمداً معذور بن جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ پیر خراب کر کے ایسی وضع اختیار کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ترس آئے اور زیادہ سے زیادہ بھیک ملے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت اعضا کی سلامتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالی کی اس نعمت کو ضائع کرتے ہیں اور کفران نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ میک اپ کا سہارا لے کر مصنوعی بیماریاں ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، بعض مصنوعی

طور پر نابینا اور لنگڑے بن جاتے ہیں۔ایسے تمام تمام لوگوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دینی چاہیے تا کہ اس مکروہ پیشہ کی حوصلہ شکنی ہو اور پیشہ ور گداگری کی لعنت کا خاتمہ ہو۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ج:۲ ص:۶۶۹)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْمَسَائِلَ كُدُوحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ، إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا شَيْئًا لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔

(ابوداؤد، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: سوال کرنا ایک قسم کی خراش ہے کہ آدمی سوال کر کے اپنے منہ کو نوچتا ہے تو جو چاہے اپنے منہ پر اس خراش کو باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ہاں اگر صاحب سلطنت سے اپنا حق مانگے یا ایسی حالت میں مانگے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو مانگنا جائز ہے۔

شعب الایمان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص لوگوں سے بھیک مانگے، حالاں کہ نہ اسے فاقہ پہنچا اور نہ اس کے اتنے بچے ہیں جن کی پرورش کی طاقت نہیں رکھتا تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا۔ (شعب الایمان، ابواب الزکاۃ)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ بھیک مانگنا جائز نہیں۔ہاں کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں بھیک مانگنا حلال ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔قرض میں ڈوبا ہوا ہو اور اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے وہ قرض کی ادائیگی کر سکے تو ضرورت بھر رقم کا سوال کرنا جائز ہے۔لیکن خیال رہے کہ مقروض کے لیے قرض ادا کرنے کے واسطے سوال کی اجازت اس وقت ہے جب اس نے کسی جائز ضرورت کی وجہ سے قرض لیا ہو، اگر کسی گناہ کے لیے قرض لیا ہو تو مانگنے کی اجازت نہیں۔

۲۔کوئی ناگہانی آفت آجائے اور مال و دولت تباہ ہو جائے مثلاً گھر میں آگ لگ جائے یا سفر میں ہو اور ٹرین یا بس میں سامان چوری ہو جائے تو ضرورت بھر کا سوال کرنا جائز ہے۔

۳۔کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو اور وہ فاقے کو پہنچ جائے تو اسے اس قدر مانگنے کی اجازت ہے جس سے اس کا فاقہ دور ہو جائے۔

حدیث پاک میں تین عقلمند شخصوں کی گواہی کا جو ذکر ہے یہ اس کے لیے ہے جس کا مالدار ہونا مشہور ہو تو بغیر گواہی کے اس کا قول معتبر نہیں اور یہ گواہی صرف مستحب ہے واجب نہیں اور جو مالدار نہ ہو اس کا صرف کہہ دینا کافی ہے۔

۴۔ایسی ضرورت پیش آجائے کہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو، مثال کے طور پر کسی کے والد یا والدہ کو مہلک بیماری لاحق ہو اور اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوں کہ علاج کرا سکے اور کوئی اسے قرض بھی نہ دے یا قرض تو دے لیکن ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسے شخص کو اتنے مال کے لیے سوال کرنا جائز ہے جس سے علاج مکمل ہو جائے۔

۵۔ بادشاہ وقت سے اپنا حق مانگ سکتا ہے کیوں کہ یہ بھیک مانگنا نہیں بلکہ اپنا حق وصول کرنا ہے۔ یہ زمانہ چوں کہ بادشاہت کا نہیں بلکہ جمہوریت کا ہے، لہٰذا گورمنٹ کی جانب سے کسانوں، طالب علموں، بیوہ عورتوں اور تاجروں کی مالی امداد کے لیے جو اسکیمیں جاری ہوتی ہیں، مالدار ہونے کے باوجود گورمنٹ سے وہ اسکیم طلب کرسکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن ایسی اسکیم طلب کرنا جو اس کے لیے نہ ہو یہ جائز نہیں۔ مثلاً ساٹھ سال سے زیادہ عمر والوں کے لیے یا بیوہ عورتوں کے لیے کوئی اسکیم ہو تو ساٹھ سال سے کم عمر والا خود کو ساٹھ سال کا بتا کر یا غیر بیوہ خود کو بیوہ بتا کر اس اسکیم سے استفادہ کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں کیوں کہ یہ دھوکہ ہے اور دھوکہ اسلام میں جائز نہیں۔

اوپر جتنی بھی صورتیں ذکر ہوئیں ان میں ضرورت اور حاجت متحقق ہے۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے بھیک مانگنا ایک نہایت ہی ذلیل حرکت اور حرام و ناجائز فعل ہے۔

حدیث پاک میں ہے جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرتا ہے گویا وہ انگارہ کھاتا ہے۔ (المعجم الکبیر، ابواب الزکاۃ)

جو لوگ بلا حاجت بھیک مانگتے ہیں ظاہر ہے وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لیے مانگتے ہیں ایسے لوگوں کے تعلق سے حدیث میں صراحت کے ساتھ وعید آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔ (مسلم، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: جو شخص مال بڑھانے کے لیے سوال کرتا ہے تو وہ انگارے کا سوال کرتا ہے تو جو چاہے سوال کم کردے یا زیادہ کرے۔

بھیک مانگنا یقیناً ایک گھٹیا اور ذلت کا کام ہے اس سے جہاں تک ہو سکے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیک مانگنے والے کو پسند نہیں فرماتے اور ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے تھے۔ بعض احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب تک جسم میں محنت مزدوری کرنی کی طاقت ہو وہ مزدوری کرکے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرے لیکن بھیک ہرگز نہ مانگے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا، فَيَسْأَلَهُ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ (بخاری، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے کر جنگل کی لکڑیاں کاٹ کر کے اپنے پشت پر باندھ کر لائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر اس سے سوال کرے، اب وہ اسے عطا کرے یا منع کردے۔

احادیث مبارکہ کے اسلوب پر غور کیجیے بلا ضرورت

بھیک مانگنے کی کس قدر مذمت کی گئی ہے اور کیسی وعیدیں آئیں ہیں کہ کہیں اسے چہرے پر خراش قرار دیا گیا ہے کہیں جہنم کا انگارہ ،اور کہیں اسے ذلیل کام بتایا گیا ہے۔اتنی وعیدوں کے باوجود اگر کوئی شخص بلاضرورت مانگنے نکل جائے تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔مسلمان کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے خود کما کر کھائے اور اسی سے صدقہ و خیرات بھی کرے یہی وجہ ہے کہ جہاں سوال کرنے کی مذمت کی گئی ہے وہیں پر صدقہ وخیرات کرنے والوں کی کافی فضیلتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ)

اس حدیث کی توضیح میں داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ فرماتے ہیں کہ: اوپر والا ہاتھ بہتر اس لیے ہے کہ اس سے دنیا جارہی ہے، وہ صفت فقر سے آراستہ ہورہا ہے اور دین وآخرت سنور رہی ہے اور نیچے والا ہاتھ دنیا لے رہا ہے اس لیے وہ بہرحال بہتر نہیں ہے۔

احادیث میں اتنی کثرت کے ساتھ وعیدوں کے باوجود اگر کوئی غیر مستحق بھیک مانگے تو اب بھیک دینے والوں کو چاہیے کہ اسے دینے سے پرہیز کریں۔

چنانچہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:فقیر کو بلا ضرورت و مجبوری بھیک مانگنا حرام ،کَمَا نَطَقَ بِہ اَحَادِیثُ کَثِیرَۃٌ(جیسا کہ بہت سی مشہور حدیثیں اس معنی پر ناطق ہیں)اور ایسوں کو دینا بھی حرام، لِاَنَّہ اِعَانَۃٌ عَلَی المَعصِیَۃِ(اس لیے کہ یہ گناہ کے کام پر دوسروں کی مدد کرنا ہے)(فتاوی رضویہ،جلد:۲۴،ص:۴۹۲)

***

تصوف پر علمی، تحقیقی، ودعوتی مجلہ

کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد(اردو)

کا پانچواں شمارہ زیر ترتیب ہے

یہ شمارہ عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی وقیع نگارشات ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۳ تک دفتر الاحسان کو ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

alehsaan.yearly@gmail.com, Mobile: + 91-9026981216

رضائے الٰہی کی پہچان

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری علیہ الرحمہ اپنے عہد کے بلند پایہ عالم اور عظیم محقق صوفی تھے۔آپ کی پیدائش شعبان کے آخری جمعہ سنہ ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۳ء میں بہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر منیر میں ہوئی اور ۱۶ /شوال ۷۸۶ھ کو عالم جاودانی کی طرف آپ نے رحلت کی۔علم تصوف پر آپ نے گراں قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے انہیں میں ''مکتوباتِ دوصدی'' بھی ہے۔یہ کتاب شیخ شرف الدین یحیی منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ اپنے مریدوں کی تربیت کے لیے وقتاً فوقتاً لکھا کرتے تھے ۔اس کتاب میں شریعت وطریقت،سلوک ومعرفت کے رہنما اصول بیان کیے گئے ہیں۔مبتدی سے لے کر منتہی تک ہر ایک کے لیے فائدہ مند ہیں۔قارئین کی افادیت کے لیے اس کتاب سے مکتوب نمبر ۷۴ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اللہ والوں کا خیال ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کی ناراضگی کی پہچان آسان ہے۔اگر تمام اعمال اچھے ہیں تو یہ اللہ کے راضی ہونے کی علامت ہے۔اور اگر تمام اعمال برے ہیں تو یہ اس کی ناراضگی کی علامت ہے۔اور اگر دونوں ملے جلے ہیں تو جس کا غلبہ ہے اسی پر حکم لگایا جائے گا۔

اے بھائی! ہمارے تمہارے یا ہم جیسوں کے نصیب ایسے کہاں کہ سارے اعمال نیکی وطاعت کے ہوں۔لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ ہماری نیکیاں غالب ہوں۔اگر خدانخواستہ برے اعمال زیادہ ہوجائیں تو اس کے عذاب سے بچنا مشکل ہوگا۔اور جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کی ہلاکت لازمی ہے۔

اے بھائی! اعمال کی اچھائی اور برائی کا علم ضروری ہے۔اسی لیے طاعت اور معصیت کے علم کا حصول فرض عین ہے۔کیوں کہ کفر وایمان اور طاعت ومعصیت کا جاننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام اسی کام کے لیے بھیجے گئے۔مجتہدین کا اس قدر اجتہاد اور مصنفین کی اتنی تصنیفات سب اسی کام کے لیے ہیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ تمام اصحاب معرفت اور ارباب بصیرت کا جگر اس کام کے حصول کے لیے پارہ پارہ ہورہا ہے لیکن دنیا والے اس کام سے غافل ہیں اور شہوات ولذات کی طلب میں سرگرداں ہیں۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ آج کل زیادہ تر لوگوں کا زبانی ایمان ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زبانی ایمان موت کے وقت کچھ کام نہیں آئے گا۔

عجیب بات ہے کہ ہم ایک کافر طبیب کے منع کرنے پر تمام نقصان دہ چیزوں کے کھانے سے پرہیز کرتے ہیں مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَۃٌ عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ و مُسْلِمۃ (دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے) کا پیغام سنایا لیکن کسی نے کان نہیں دھرا۔یہ اس سبب سے ہے کہ کافر طبیب کی بات پر تو یقین آگیا لیکن اتنے پیغمبروں کی بات پر یقین نہیں آیا۔یہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔یہی زبانی ایمان اور باطنی کفر کی علامت ہے۔

کام بہت مشکل ہے اور وقت کم یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْن آغِثْنَا آغِثْنَا (اے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس ہماری فریاد سن، ہماری فریاد سن، ہماری فریاد سن)

اے بھائی! طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ میں طاعت اور معصیت کے علم کی فرضیت کو بتلایا گیا ہے۔ یقیناً اس کے علاوہ کوئی اور علم مراد نہیں ہو سکتا۔

مگر افسوس! آج اس آخری زمانے میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر سونا یا چاندی کا ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ میں دے دیں تو وہ اسے دیکھ کر بلا تامل بتا دیں گے کہ اس کا وزن یہ ہے اور اس میں ملاوٹ اتنی ہے پھر جب اسے وزن کیا جائے، یا کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کی رائے تقریباً صحیح ہوگی۔ لیکن انہیں معلوم نہیں ہے کہ دولت ایمان کیا ہے اور کفر کی بلا کیا ہے؟ نیکی کیسی نعمت ہے اور برائی کیسی مصیبت ہے؟ ہاں البتہ روایتی طور پر وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ الفاظ بھی گفتگو میں آتے ہیں۔ شاید ہمارا یہ زمانہ بھی وہی زمانہ ہے۔ لہٰذا سر پر خاک ڈالنا چاہیے اور اپنی مصیبت پر ماتم کرنا چاہیے۔

اے بھائی! اس فتنہ و فساد میں ڈوبی ہوئی دنیا کے ہنگاموں سے یکبارگی باہر نکلنا دشوار نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں ایسا کرنا چاہیے کہ حتی الامکان دین کے کاموں میں لگے رہو۔ دین کی فکر کرو اور آخرت کے کام سے جہاں تک ہو سکے غافل نہ رہو، معصیت پر ندامت و حسرت کرو اور جان و مال سے نیک کام میں لگے رہو اور اسی طرح حصول طاعت و فرمابرداری میں پوری کوشش کرو تاکہ گذشتہ معصیتوں اور کوتاہیوں کی تھوڑی بہت تلافی ہو سکے۔ کیوں کہ پچاس ساٹھ سال کی عمر ہو چکی ہے اب جو باقی رہ گئی اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

اے بھائی! دنیا جب کہ ضلالتوں اور گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی ہے، تمہیں چاہیے کہ اپنے قلم، اپنی زبان، اپنے مال، اور اپنے جاہ و مرتبہ کے ذریعہ جس قدر ممکن ہو ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کرو اور ان کو آرام پہنچاؤ۔ تمہارے پاس نماز، روزہ اور نوافل کا جو کچھ ذخیرہ موجود ہے بلاشبہ وہ بہت مفید ہے مگر اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جائے۔ بھوکوں کو کھلایا جائے اور ننگوں کو کپڑے پہنائے جائیں۔ یقیناً اس سے زیادہ مفید اور سود مند عبادت تمہارے لیے کوئی اور نہیں ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں بادشاہ رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ اس غریب نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اور دوسروں کے کام میں مشغول ہو گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اس کی تشریح کی جائے۔ انہوں نے فرمایا:

اس کا اصل کام تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا، ننگوں کو کپڑے پہناتا اور لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاتا، راتوں کو عبادت کرنا اور دن کو روزے رکھنا، یہ دوسروں کے کام تھے جسے اس غریب نے اپنے سر لے لیا۔

اے بھائی! کوشش کرو کہ جب تم کسی کو کچھ دو یا کسی کی حاجت روائی کرو تو سوال کرنے سے پہلے کرو، کیوں کہ اہل معرفت و مروت کہتے ہیں: السّوَالُ اِنْ قَلَّ ثَمَنُ النوالِ وَ اِنْ جَلَّ (تھوڑا سوال بھی عنایت کا بدلہ بن جاتا ہے، خواہ عنایت بڑی ہی کیوں نہ ہو)

چنانچہ تم کسی شخص کو جتنا بھی زیادہ دے دو یہی سمجھو کہ کچھ نہیں دیا۔ اس لیے کہ دنیا بے حقیقت ہے اور جو کچھ تم نے دیا اسی دنیا سے لے کر دیا۔

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر ساری دنیا میری ملکیت ہو جائے تو اس کو سمیٹ کر ایک لقمہ بناؤں اور کسی بھوکے کے منہ میں ڈال دوں اور اس کے باوجود یہ سمجھوں کہ اسے کچھ نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ ہماری، تمہاری اور سارے مسلمانوں کی عاقبت بخیر فرمائے۔ آمین!

✲✲✲

شیخ ابوسعید کے مجاہدوں کے اثرات ونتائج

سلطان طریقت، برہان حقیقت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز یکتائے روزگار شخصیت، عارف ربانی اور عظیم صوفی تھے۔ان کی پیدائش 'خراسان' کے 'میہنہ ' گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی ''**اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید**' موسوم بہ 'مقامات خواجہ' ان کے مخصوص احوال واقوال پر مشتمل ہے جسے آپ کے پر پوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ **مولانا امام الدین سعیدی** (استاذ جامعہ عارفیہ) نے اس کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔۱۶ویں قسط سے مسلسل عام افادیت کے لیے انھیں کا ترجمہ بالترتیب پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایسی راہ پہ چلنے سے کیا فائدہ جس سے غرور و پندار پیدا ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس راہ کا ترک کر دینا خود ایک غرور ہے کیوں کہ جب تک کوئی اس راہ میں نہیں آئے گا تو اس پر خود پسندی اور انانیت کے خطرناک امراض کیسے منکشف ہونگے؟ بلاشبہ نفس کی مکاریاں دین کی راہ میں چلنے ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور دین اصل میں شریعت ہی کا نام ہے۔ دینی فرائض کی بجا آوری سے انکار کرنا شریعت میں کفر ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کے وقت خدا کے ساتھ اپنی ذات کے وجود کا خیال کرنا شرک ہے اس لیے کہ اس وقت دوئی کا تصور ہے، اسی لیے اس مقام پر خود کو فنا کرنا ضروری ہے۔

اس درمیان میری ایک خلوت گاہ تھی جہاں میں فنائے نفس کا عاشق تھا اللہ رب العزت کا فضل ہوا اس کی جانب سے ایک نور آیا اور اس نے میری ظلمت ہستی کو چاک کر دیا اور اللہ رب العزت نے یہ حقیقت مجھ پر واضح کردی اس میں میرا کوئی کسب وکمال نہیں تھا بلکہ سب اس کا فضل وکرم اور توفیق وعنایت تھی اس کے بعد میری حالت ان اشعار کے مصداق ہوگئی۔

همه جمال تو بینم چو دیده باز کنم
همه تنم دل گردد که باتو راز کنم
حرام دارم با دیگراں سخن گفتن
کجا حدیث تو آمد سخن دراز کنم

ترجمہ: میں جہاں بھی دیکھتا ہوں تیرا جمال نظر آتا ہے میرا سارا جسم دل بن کر تجھ سے راز و نیا کرتا ہے غیر سے بات کرنا میں حرام سمجھتا ہوں جہاں تیرا ذکر ہوتا ہے تو اسے دراز کر دیتا ہوں۔

اس کے بعد لوگوں میں میری مقبولیت وعزت بڑھتی گئی، میرے پاس مریدین ومعتقدین اور توبہ کرنے والوں کی آمد ورفت ہونے لگی، میرے پڑوسیوں نے میرے احترام میں شراب پینا ترک کر دیا، میری محبوبیت اس درجہ پر پہنچ گئی کہ لوگ میرے ہاتھ سے گرے ہوئے خربوزہ کے چھلکے کو بیس بیس دینار کے عوض بولی لگا کر خریدنے لگے، ایک روز تو انتہا ہوگئی جب میں اپنے خچر پر سوار ہوا تو اس نے نجاست کر دی، لوگ

اس کی لید اٹھا کر اپنے چہرے اور سر پر ملنے لگے۔ اس کے بعد مجھ پر یہ راز کھول دیا گیا کہ وہ میں نہیں تھا سب اس کی تجلی تھی۔ پھر مسجد سے أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ (فصلت: ۵۳) (کیا تمہارا رب تمہیں کافی نہیں ہی) کی آواز آئی اور میرے سینہ میں ایک نور داخل ہوا اور اس نے بہت سے حجابات اٹھا دیئے اب یہ حالت ہوگئی کہ وہی لوگ جن کے نزدیک کل میں محبوب وعزیز تھا میرے لئے بیگانہ ہوگئے یہاں تک کہ لوگوں نے قاضی کے پاس جا کر میرے کافر ہونے کی گواہی بھی دے دی، جس جگہ سے میں گذرتا لوگ کہتے اس منحوس شخص کے پاوں پڑنے کی وجہ سے یہاں پر سبزہ نہیں اگ سکتا، ایک روز میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں عورتیں اپنے اپنے چھتوں سے میرے اوپر نجاست وگندگی پھینکنے لگیں میں حیران وپریشان تھا کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے؟ اتنے میں پھر وہی أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ کی آواز آئی

نمازی حضرات مجھے مسجد میں دیکھ کر کہنے لگے کہ جب تک یہ شخص مسجد سے باہر نہیں جائیگا ہم مسجد میں جماعت نہیں کریں گے میں اسوقت زبان حال سے یہی کہہ رہا تھا۔

تا شیر بدم شکار من بود پلنگ
پیروز بدم بہر چہ کردم آہنگ
تا عشق ترا ببر در آوردم تنگ
از بیشہ بیروں کرد مرا روبہ لنگ

ترجمہ: جب تک میں شیر تھا میرا شکار چیتا تھا میں جس جانب رخ کرتا کامیاب ہوجاتا مگر جب سے تیرے عشق نے مجھ پر غلبہ حاصل کرلیا تو لنگڑی لومڑی نے مجھے جنگل سے باہر کردیا۔

پھر مجھ پر قبض کی کیفیت طاری ہوئی میں نے اس حالت کی حقیقت جاننے کی نیت سے قرآن کھولا تو یہ آیت سامنے آئی وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الانبیاء: ۳۵) طلب یہ تھا کہ میری راہ میں خیر وشر دونوں فتنہ ہیں۔ یہ سب بلا وآزمائش ہے، خیر وشر کے احساس سے اوپر اٹھ اور صرف میرا ہو جا۔ بعد ازیں میرا وجود نہیں تھا سب اس کا فضل تھا۔

امروز بہر حالے بغداد بخارا ست
کجا میر خراسان است پیروزی آنجاست

ترجمہ: آج بہر حال بخارا بغداد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ صلاح وفلاح وہیں ہے جہاں میر خراسان ہے

یہ فصل شیخ کی مجلس کے درمیان ان کی زبان سے سنی گئی ہے۔ دریں اثناء شیخ کے والدین وفات یافتہ ہوگئے اس طرح آپ کے لئے ان کی خدمت واطاعت کا جو ایک اہم فریضہ تھا اس سے بری الذمہ ہوگئے۔

پھر آپ نے باورد اور سرخس کے مابین واقع جنگلات کا رخ کیا۔ سات سال تک وہیں پہ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے۔ اس درمیان کسی نے آپ کو وہاں نہیں دیکھا الا ماشاء اللہ، کسی کو یہ خبر نہیں ہوئی کہ اس مدت میں آپ نے وہاں کیا کھانا کھایا۔ ہم نے اپنے پیروں سے سنا جو اس علاقے کے عوام وخواص کے درمیان معروف ومشہور تھا کہ شیخ نے مذکورہ سات سال جھاؤ کے درخت کے پتوں اور پھلوں پر گذر کی۔

لوگوں نے بیان کیا کہ جب شیخ قدس سرہ کی شہرت اطراف واکناف میں پھیل گئی، تو اسی زمانہ میں ایک روز روضہ مقدس کے دروازے پر بیٹھے تھے، شیخ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے شیخ کے سامنے میٹھے خربوزے کو چھری سے کاٹ کر شکر میں ملا کر پیش کیا۔ صوفیہ کے مخالفین میں سے ایک شخص کا وہاں سے گذر ہوا، اس نے کہا: اے شیخ! جو اس وقت آپ کھا رہے ہیں اس کا ذائقہ کیسا ہے؟ اور جو سات سال

جنگلوں میں کھایا اس کا مزا کیسا تھا؟ دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: دونوں ذائقوں کا ایک وقت ہوتا ہے اگر بسط ونشاط کی کیفیت ہوتو اس جھاؤ کا پتہ اس شکر آلود خربوزہ سے بہتر ہوگا۔ اور قبض وحزن کی کیفیت ہو جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (البقرۃ: ۲۴۵) تو یہ مٹھاس اس کڑواہٹ سے زیادہ بدتر ہے۔

شیخ نے فرمایا: جس نے مجھ کو شروع زمانے میں دیکھا وہ صدیق ہوگیا، اور جس نے اخیر زمانے میں دیکھا وہ زندیق ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ابتدائی زمانہ ریاضت ومجاہدہ والا تھا اور اکثر لوگ ظاہر پرست اور صورت پرست ہوتے ہیں تو جس نے میری وہ زندگی دیکھی اور راہ حق میں میرے مجاہدات ملاحظہ کیے ان کی ارادت کا صدق بڑھتا گیا اور وہ صدیقوں کے درجے پر فائز ہوگیے۔ اور آخری زمانہ چوں کہ ان مجاہدات کے نتائج اور ثمرات پر محیط تھا، نہایت فارغ الحالی اور شاہانہ عیش وعشرت کا دور تھا۔ یہ حالت ابتدائی حالت کے برعکس تھی، اس لیے لوگوں کو اعتراض وانکار ہونے لگا۔ حالاں کہ یہ حالتیں بھی برحق تھیں لہذا ان کا انکار حق کا انکار تھا جس سے وہ زندیق ہو گیے۔ ایسے مختلف احوال کے اوپر بہت سی دلیلیں اور مثالیں ہیں۔ من جملہ انہیں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر بادشاہ کی قربت کی آرزو پیدا ہو وہ اس کا ہم راز ہونا چاہے تو اسے بہت سے مصائب وآلام اٹھانا پڑتا ہے سرد وگرم کی مشقت جھیلنی پرتی ہے، ہر کس وناکس کی بات برداشت کرنی پڑتی ہے، مکمل صبر وتحمل سے کام لینا پڑتا ہے، ہر تکلیف کا خندہ پیشانی اور کشادہ قلبی سے سامنا کرنا پڑتا ہے ہر جور وجفا کے باوجود اس کی خدمت کرنی پڑتی ہے، گالی کے جواب میں دعا گوئی سے کام لینا پڑتا ہے، اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے ہزاروں لوگ کوشش کرتے ہیں مگر ان میں کوئی ایک ہی اس درجہ کو پاتا ہے۔ جب بادشاہ اسے قبول کرلیتا ہے اور شرف قربت سے نوازتا ہے تو اس وقت اسے عمدہ سے عمدہ کارنامے انجام دینا چاہئے تاکہ بادشاہ کا اعتماد حاصل کرے، اس طرح وہ جب اعتماد حاصل کرلیتا ہے تو بادشاہ اسے اپنا محرم خاص بنالیتا ہے، اب ساری مشقتیں راحت وآسائش میں تبدیل ہوجاتی ہیں اس کی ساری محنتوں اور خدمتوں کا صلہ مختلف راحت ونعمت کی شکل میں ملتا ہے۔ اب اس کے لئے سوائے قریب رہنے کے اور کوئی کام نہیں ہوتا کسی لمحہ پلک جھپکنے کے برابر بھی غائب نہیں ہوتا۔ بادشاہ کو کوئی خفیہ بات کرنی ہو یا کوئی مخصوص بات گوش گذار کرنی ہو تو طلب کی صورت کی میں وہاں اس کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ یہ اعلی مقامات اور بلند درجات واضح وروشن مثالیں ہیں اور ان مثالوں کے آئینے میں قرب خداوندی کے درجات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو میں رات میں پیر ابوالفضل حسن سرخسی کی بارگاہ میں حاضری دیتا، مسئلہ حل ہوجانے کے بعد رات ہی میں واپس ہوجاتا۔

سات سال تک جنگل میں اسی طرح گذارنے کے بعد پھر میہنہ واپس ہوگئے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے شیخ ابوالعباس قصاب سے ارادت پیدا ہوئی

کیونکہ وہ بقیۃ المشائخ تھے اور پیر ابوالفضل کا وصال بھی ہوچکا تھا جب تک وہ باحیات تھے تو میں ان سے اپنے مسائل حل کراتا تھا، اب جب کہ وہ نہیں رہے، میرے لئے شیخ ابوالعباس قصاب کے سوا کوئی نہیں تھا جن سے مشکلات درپیش ہونے کے وقت رجوع کرتا۔ واضح رہے کہ شیخ ابوسعید نے شیخ ابو العباس قصاب کے علاوہ کسی کو شیخ مطلق نہیں

فرمایا ہے پیر ابوالفضل کو پیر کہا کرتے تھے کیوں کہ وہ شیخ کے پیر صحبت تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں مشائخ کے مزار کی زیارت کی غرض سے آمل کا رخ کیا جو باور دونسا کے علاقہ میں آتا ہے، اس وقت میرے ساتھ احمد نجار اور محمد فضل تھے ان میں محمد فضل شروع سے آخری عمر تک شیخ کے مصاحب و خادم رہے۔ ان کی قبر پیر ابوالفضل کی تربت کے پاس ہے۔

شیخ فرماتے ہیں ہم تینوں لوگ باورد پہونچے اور درہ کی وادی ہوتے ہوئے شاہ میہنہ کا رخ کیا، شاہ میہنہ وادیٔ گز کے زیر اثر ایک گاؤں ہے اس سے قبل اس کا نام شامینہ تھا جب وہاں پہونچے تو لوگوں سے پوچھا کہ اس گاوں کا نام کیا ہے لوگوں نے شامینہ بتایا، شیخ نے فرمایا: اسے شاہ میہنہ کہا کرو شیخ کے حسب ارشاد تبرکا اس کے بعد وہ شاہ میہنہ سے مشہور ہو گیا۔

شیخ فرماتے ہیں میں نے پیر بوعلی کے مزار پر حاضری کا قصد کیا اس وقت مجھے ایک مسئلہ بھی درپیش تھا جب ان کی تربت کے قریب پہونچا وہاں پانی کا ایک گڑھا دیکھا، اس کے کنارے ایک پتھر تھا اس پر بیٹھ کر ہم نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، پاس ہی میں ایک بچہ کو دیکھا جو گائے ہانک رہا تھا اور کھیت جوت رہا تھا، کھیت کے کنارے ایک بوڑھا بے خودی کے عالم میں دانے بکھیر رہا تھا، ہر لحظہ اس تربت کی جانب دیکھتا تھا اور نعرہ بلند کرتا تھا میرے دل میں اس منظر کو دیکھ کر ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی اتنے میں وہ بزرگ میرے قریب آئے اور سلام کیا پھر کہنے لگے کہ کیا تم مجھے جھیل سکتے ہو تو میں ایک بات تم سے کہوں میں نے کہا انشاء اللہ۔ اس نے اپنی بات شروع کی کہ میرے دل میں اس وقت یہ خیال آرہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے جس وقت اس دنیا کی تخلیق کی تو اس وقت کسی بھی مخلوق کو پیدا نہیں کیا پھر پوری دنیا کو شرق تا غرب دانے سے بھر دیا پھر ایک پرندہ بنایا اور اس سے فرمایا کہ ایک ہزار سال میں صرف ایک دانہ تمھارا رزق متعین ہے پھر ایک انسان کو پیدا کیا اور اس کے سینہ میں سوز دروں رکھ دیا پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا تم اس وقت تک اپنا مقصود نہیں پا سکتے جب تک یہ پرندہ اس دنیا کو ان دانوں سے پاک نہ کر دے اس درمیان تم اسی سوز و کرب میں مبتلا رہو، گے فی الوقت یہ کام تیزی سے مکمل ہو رہا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس بزرگ کی اس تقریر نے میرے مسئلہ کو حل کر دیا اور مجھ پر معاملہ واضح ہو گیا، پھر بوعلی کی تربت پہ پہونچا وہاں سے کافی فیوض و برکات حاصل ہوئے پھر وہاں سے نسا کے لئے روانہ ہو گیا۔

***

مولانا آزاد اسٹڈی سنٹر (019)

سینٹر سے منسلک طلبہ وطالبات کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سالانہ امتحان شروع ہونے کی متوقع تاریخ:

۲۰ رنومبر ۲۰۱۳ ہے۔

رابطہ کریں:

سید محمد فرقان سعیدی

جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

9335292771, 8081109914

غلام مصطفیٰ ازہری

حدیث موضوع: علامات اور نشانیاں

حدیث موضوع کی چند علامتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی نہیں ہیں بلکہ من گڑھت اور خود ساختہ ہیں۔

ان علامتوں میں بعض علامتیں سند یعنی حدیث نقل کرنے والوں اور روایت کرنے میں پائی جاتی ہیں اور بعض علامتیں متنِ حدیث یعنی اس قول یا فعل میں پائی جاتی ہیں جس کی نسبت رسول کی طرف کی گئی ہے۔

سند میں پائی جانے والی علامتیں

(۱) **اقرار راوی:** حدیث گڑھنے والے کا یہ اقرار کرلینا کہ یہ بات میری ہے یا میں نے اس کو گڑھی ہے اور پھر اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف جان بوجھ کر کردی ہے۔

محدثین نے جن لوگوں کو اقرارِ وضع کی وجہ سے وضاع اور کذاب قرار دیا ہے ان ہی میں سے ایک محمد بن سائب کلبی ہے ابن حبان نے اپنی کتاب مجروحین میں لکھا ہے کہ کلبی نے سفیان ثوری سے بیان کیا کہ میں نے جو کچھ ابو صالح کے واسطے سے ابن عباس کی روایت بیان کی ہے وہ سب جھوٹ ہے۔

(۲) **قرائن حالیہ؛** ایسے احوال و قرائن جو راوی کے جھوٹ کو واضح کرتے ہوں۔ اس کی چند صورتیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) ایسے تاریخی احوال جو راوی کے کذب کو ظاہر کرتے ہوں جیسے احمد ابن عبداللہ جویباری کی موجودگی میں علما کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث سنی ہے یا نہیں؟ اس نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کا حدیث سننا ثابت ہے، اس نے اپنی سند سے فوراً ایک ایسی حدیث سنادی جسے حضرت حسن بصری نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اس سے احمد ابن عبداللہ جویباری کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ جب حسن بصری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور ان سے حدیث سنی ہے تو ابو ہریرہ سے بدرجۂ اولیٰ ملاقات کی ہوگی اور حدیث سنی ہوگی۔ کیوں کہ ابو ہریرہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی تقریباً پچاس سال تک زندہ رہے۔

ظاہر ہے کہ جویباری کی روایت جھوٹی اور اس کی بات غلط ہے، کیوں کہ اس نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے حسن بصری کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرادی جب کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً دس سال بعد پیدا ہوئے۔

(دیکھیے: النکت علی ابن الصلاح ج:۲ ص:۸۴۲)

(ب) کوئی ایسا قرینہ ہو جو یہ واضح کرے کہ راوی اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ جیسے سہیل بن ذکوان ابو سندی جس کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کرتا تھا، اس سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہ کا رنگ کیسا تھا تو اس نے کہا کہ ان کا رنگ سیاہ تھا جب کہ حضرت عائشہ گوری تھیں اسی لیے یحیی بن معین اور عباد بن عوام اسے جھوٹا شمار کرتے تھے۔ (میزان ۲/ ۲۴۲)

اسی طرح اس نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ سے شہر واسط میں ملاقات کی جب کہ اس شہر کے آباد ہونے سے مدتوں پہلے حضرت عائشہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ (لسان ۳/ ۱۴۲) یہ تاریخی حقیقت بھی اس کے جھوٹ کو واضح کرتی ہے۔

(۳) جس راوی کے کذاب اور وضاع ہونے پر تمام ناقدین حدیث کا اتفاق ہو جیسے عبدالکریم بن ابوعوجاء، بیان بن سمعان وغیرہ۔ ان راویوں کا کسی حدیث کو روایت کرنا اس کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔

متن میں پائی جانے والی علامتیں

(۱) حدیث کا متن قرآن کی آیت محکم، احادیث متواترہ یا صحیحہ قطعیہ یا اجماع قطعی کے ایسے مخالف ہو کہ ان میں تاویل یا تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو۔

(۲) اسی طرح وہ احادیث جو فساد، ظلم و بربریت، باطل کی مدح، حق کی مذمت، عبث اور ایسی بے کار باتوں پر مشتمل ہو جن کے معنی شنیع وقبیح ہوں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم بری ہیں، ایسی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا غلط ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور محال ہے۔

(۳) اسی طرح وہ احادیث جو بداہت عقل، حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو جیسے وہ احادیث جن میں جسم کے قدیم ہونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح یہ حدیث:

اَلْبَاذِنْجَانُ شِفَاءٌ لِکُلِّ دَاءٍ

(بیگن ہر بیماری کے لیے شفا ہے)

یہ حدیث حس اور مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے۔

إنَّ سَفِینَةَ نُوحٍ طَافَتْ بِالْبَیْتِ سَبْعاً ، وَ صَلَّتْ عِنْدَ الْمَقَامِ رَکْعَتَیْن۔

(نوح علیہ السلام کی کشتی نے خانۂ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کی)

یہ حدیث بداہت عقل، حس اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

(۴) رکیک الفاظ پر حدیث مشتمل ہو یعنی ایسے الفاظ جو فصیح نہ ہوں یا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہ ہو۔

اس میں علما کا اختلاف ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ حدیث کی بالمعنی روایت ہو، اسی لیے امام سخاوی (فتح المغیث ۱/ ۳۱۴) اور علامہ ابن صلاح (مقدمۃ مع النکت ۳/ ۸۴۴) صرف رکیک الفاظ کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں قرار دیتے بلکہ الفاظ کے ساتھ معانی بھی رکیک ہوں تب حدیث کو موضوع گردانتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس مقام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ فصیح ہوتے ہیں اور معانی رکیک اگرچہ اس کا وجود کم ہے (تو کیا ایسی صورت میں حدیث کو موضوع نہیں قرار دیں گے؟)

علامہ جلال الدین سیوطی نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے اس مسئلے کا حل نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

رکاکت کا مدار معانی کے رکیک ہونے پر ہے جہاں بھی معانی میں رکاکت پائی جائے گی حدیث کے موضوع ہونے پر دلالت کرے گی، اگرچہ الفاظ رکیک نہ ہوں کیوں کہ یہ پورا دین محاسن پر مشتمل ہے رکاکت عیب اور خرابی پر دلالت کرتا ہے لیکن رکاکتِ الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کیا ہو اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں بدل دیا ہو، ہاں اگر راوی یہ صراحت کرے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ہیں تب تو جھوٹا ہے۔

(تدریب الراوی ۱/ ۲۷۶)

(۵) کسی ایسے واقعے سے متعلق حدیث ہو کہ اگر

حقیقت میں وہ واقعہ ہوتا تو یہ بات مشہور و مستفیض ہوجاتی، جب کہ اس ایک روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہ ہو۔

جیسا کہ روافض کا خیال ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے لوٹ رہے تھے آپ نے مجمع صحابہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

هٰذَا وَصِيِّي ، وَأَخِي ، وَالْخَلِيفَةُ مِن بَعدِی، فَاسْمَعُوْا لَهٗ، وَأَطِيْعُوْا

علی میرے وصی، میرے بھائی اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں تم لوگ ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کا ایک عظیم کارواں تھا۔ اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہوتی تو سب نے سنا ہوتا اور یہ بات صحابہ میں معروف ومشہور ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام حضرت علی کو ضرور خلیفہ منتخب فرماتے۔ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ تمام صحابہ نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا لیکن پھر بھی سب نے اس کو چھپالیا۔ العیاذ باللہ

(۶) کسی گمراہ نے کوئی ایسی روایت بیان کی جو اس کی گمرہی کی تائید میں ہو۔

جیسے خلق قرآن کے قائلین اور مرجیہ وقدریہ وغیرہ کی وہ احادیث جو انہوں نے اپنی گمراہیوں اور خرافات کی تائید میں بیان کی ہے، انہی میں وہ اہل ہوس اور اصحاب رائے بھی ہیں جن کے پاس قرآن و حدیث سے اپنی کوئی دلیل نہیں ہوتی، اور وہ اپنے فاسد افکار وخیالات کی تائید میں حدیثیں گڑھ لیتے ہیں۔

عبداللہ بن یزید مقرئی نے کہا:

اِنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْبِدْعِ رَجَعَ عَنْ بِدْعَتِهٖ، فَجَعَلَ يَقُوْلُ. اُنْظُرُوْا هٰذَا الْحَدِيْثَ عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَهٗ! فَإِنَّا كُنَّا إِذَا رَأَيْنَا رَأْياً جَعَلْنَا لَهٗ حَدِيْثًا

ایک بدعتی گمراہ شخص نے جب اپنی بدعت وگمرہی سے توبہ کرلیا تو کہنے لگا کہ حدیث جس سے بھی لو دیکھ لو کہ وہ بدعتی تو نہیں کیوں کہ ہم اپنے زمانۂ گمراہی میں جب کسی رائے پر قائم ہوجاتے تو اس کے لیے حدیث گڑھ لیتے۔

حماد بن سلمۃ نے کہا:

اَخْبَرَنِیْ شَيْخٌ مِنَ الرَّافِضَةِ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى وَضْعِ الْحَدِيْثِ۔

ایک رافضی شیخ نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ (اپنے مذہب کی تائید میں) متفقہ طور پر حدیث گڑھتے تھے۔

(۷) کسی حقیر عمل کی تعریف اور اس پر ثواب وبشارت یا چھوٹی چیز کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جن کا کلام رسول ہونا عقلاً بعید ہو۔

جیسے کہ یہ حدیث: مَنْ صَلّٰى الضُّحٰى كذا و كذا رَكْعَةً أُعْطِيَ ثَوَابَ سَبْعِيْنَ نَبِيّاً

جس نے چاشت کی اتنی رکعت ادا کی اسے ستر نبیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

جب کہ یہ معلوم ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ عمر خضر پائے اور پوری عمر عبادت میں گزارے پھر بھی وہ کسی بھی نبی کے برابر ثواب وجزا نہیں پاسکتا۔

(۸) اپنے غصے اور ناراضگی کو درست ثابت کرنے کے لیے راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کا حدیث رسول ہونا بعید ہو، جیسے سعد بن طریف اسکاف نے جب دیکھا کہ اس کے بچے کو استاذ نے مارا تو اس وقت ایک حدیث گڑھ لی اور یوں بیان کی:

وَاللهِ لَأُخْزِيَنَّهُمُ الْيَوْمَ. حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مُعَلِّمُو صِبْيَانِكُمْ شِرَارُكُمْ، أَقَلُّهُمْ رَحْمَةً لِلْيَتِيمِ وَأَغْلَظُهُمْ لِلْمِسْكِينِ۔

اللہ کی قسم میں آج معلمین کو ضرور رسوا کروں گا، اس لیے کہ مجھ سے عکرمہ نے ابن عباس سے ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بچوں کے اساتذہ تم میں بدترین ہوتے ہیں، یتیم پر سب سے کم رحم کرنے والے ہوتے ہیں اور مسکین پر سب سے زیادہ غصہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

(۹) اسی طرح راوی حکام اور سلاطین کو خوش کرنے کے لیے ایسی حدیث بیان کرے جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہو، جیسے غیاث بن ابراہیم نے خلیفہ مہدی کو کبوتر اڑاتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنی سند سے حدیثِ سباق میں ''جناح'' کا لفظ زیادہ کرکے بیان کیا:

لَاسَبْقَ إِلَّا فِي خُفٍّ، أَوْ حَافِرٍ، أَوْ نَصْلٍ أَوْ جَنَاحٍ

ترجمہ: مقابلہ آرائی جائز نہیں ہے مگر تیر اندازی میں، اونٹ یا گھوڑ سواری میں یا پرندوں کے اڑانے میں۔

یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں 'جناح' یعنی پرندوں کے اڑانے کا ذکر نہیں ہے۔ غیاث بن ابراہیم نے صرف خلیفہ مہدی کو خوش کرنے کے لیے حدیث صحیح میں اس کا اضافہ کر دیا جب کہ دوسری صحیح حدیث سے کبوتر بازی کی مذمت ثابت ہے۔

ایک وضاحت

متن میں پائی جانے والی علامتوں کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہنا واضح، قطعی اور یقینی ہے لیکن سند کے اعتبار سے پائی جانے والی علامتوں کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہنا ظنی اور غیر یقینی ہے کیوں کہ اس ضمن میں جتنی علامتیں ذکر کی گئی ہیں سب کا دار و مدار راوی کے اپنے بیان اور اس کے احوال بیان کرنے والوں کے بیان پر موقوف ہے، اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ کبھی جھوٹا شخص بھی سچ بولتا ہے اس لیے جھوٹے کی روایت بھی جھوٹی ہو یہ قطعی اور یقینی نہیں ہے ہاں جب کہ دوسرے ایسے قرائن پائے جائیں جن سے اس کی بات کا جھوٹ ہونا واضح ہو جائے تو محدثین کا اس کے کذب پر اتفاق ہے کیوں کہ یہ ظنی حکم قرائن کی وجہ سے یقین میں بدل جائے گا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ سند میں علامات وضع پائے جانے کے باوجود حدیث کو موضوع کہنا ظنی اس لیے ہے کہ راوی خود اپنے اس بیان میں بھی جھوٹا ہو سکتا ہے جس میں اس نے کہا کہ یہ حدیثیں ہم نے خود گڑھی ہیں، اسی طرح کسی ایک حدیث میں جھوٹ بولنے یا عام گفتگو میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے کسی راوی کو جھوٹا یا کذاب کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہا جاتا ہے جب کہ جھوٹا ہر حال میں جھوٹ نہیں بولتا ہے بلکہ کبھی کبھی سچ بھی بولتا ہے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے شیطان کے بارے میں کہا: صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ (اس نے تم سے سچ کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔ (بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنودہ) یعنی شیطان تو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہی ہے لیکن اس نے اس مرتبہ سچ بولا ہے۔ اسی طرح جھوٹا شخص چاہے وہ جتنا بڑا بھی جھوٹا ہو، پوری زندگی میں ہر بار وہ جھوٹ ہی بولے کوئی ضروری نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے نخبۃ الفکر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

پہلی قسم کو موضوع کہیں گے لیکن اس پر موضوع ہونے کا حکم لگانا یقینی نہیں ہے بلکہ بطور ظن غالب ہے کیوں کہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے۔

☆☆☆

ضیاء الرحمن علیمی

دفن کے بعد میت کے لیے دعا اور تلقین کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراہیم:۲۷)

اللہ تعالیٰ قول ثابت کے ذریعہ ایمان والوں کو دنیاوی زندگی میں اور دنیاوی زندگی کے بعد ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔

اس آیت مقدسہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مومنین کو قبر میں سوال کے وقت جوابی کلمات کے ذریعہ عذاب قبر سے نجات عطا فرماتا ہے اور نکیرین کے سوال کے وقت ان کو ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ اب اگر مردہ خود صالح انسان ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے قبر کے سوالات کے صحیح جوابات دینے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اگر وہ انسان صالح نہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس کے کسی مومن بھائی کے ذریعہ اس کی مدد فرمائے جو قبر پر اس کو جوابی کلمات کی تلقین کریں یا اس کے لیے سوال کے وقت ثابت قدمی کی دعا کریں۔ اس آیت کریمہ کے اندر دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

میت کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا مستحب

یہ بات تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ایمان والوں کی طرف سے مغفرت کی دعا میت کے حق میں مقبول ہوتی ہے اور اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (حشر:۱۰)

ترجمہ: اور جو ایمان والے ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرمادے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرمادے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے چلے گئے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے لیے استغفار اور سوال قبر کے وقت اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کا حکم فرمایا ہے چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ (سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو تھوڑی دیر وہاں ٹھہرتے اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے سوال کے وقت ثابت قدمی کی دعا کرو اس لئے کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

یہ حدیث شیخ البانی کے نزدیک بھی صحیح ہے۔

(صحیح وضعیف الجامع الصغیر، رقم الحدیث:۹۴۵)

مردے سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں:

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ میت کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر تھوڑی دیر رک کر اس کی مغفرت اور نکیرین کے سوال کے وقت اس کی ثابت قدمی کی دعا کرنا مستحب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ خاص تلقین کا حکم حدیث سے ثابت ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحابہ اور تابعین کا عمل موجود ہے

جوعمل کے لیے کافی ہے چنانچہ صحابہ میں حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما سے یہ عمل ثابت ہے جب کہ تابعین میں راشد بن سعد حمصی (م: ۱۰۸ھ) ضمرہ بن حبیب زبیدی (م: ۱۳۰ھ) حکیم بن عمیر حمصی شامی سے یہ عمل ثابت ہے۔لیکن وہ احادیث اس وقت زیادہ قوی معلوم ہوں گی جب یہ بات بھی ثابت ہوجائے کہ مردے سنتے ہیں اور دنیاوالوں کی باتیں سن کر ان سے نفع حاصل کرکے ان کا جواب بھی دیتے ہیں۔چنانچہ اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

العَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ

(بخاری، کتاب الجنائز، باب: المیت یسمع خفق النعال)

ترجمہ: بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پلٹنے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنویں کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ نے اس میں قتل کرکے ڈال دئے گئے مشرکین کو ان کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا اور بولے اے فلان بن فلان! ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ پایا، تو کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچ پایا؟ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: روح سے خالی جسم میں کلام کی صلاحیت نہیں ہوتی، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ (بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میری بات کو تم بھی ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

تلقین میت کی حدیث

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب میری موت آجائے تو میرے ساتھ بھی تم اسی طرح کرو جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ:

إِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِنْ إِخْوَانِكُمْ، فَسَوَّيْتُمُ التُّرَابَ عَلَى قَبْرِهِ، فَلْيَقُمْ أَحَدُكُمْ عَلَى رَأْسِ قَبْرِهِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: يَا فُلَانَ بن فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَسْمَعُهُ وَلَا يُجِيبُ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا فُلَانَ بن فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَسْتَوِي قَاعِدًا، ثُمَّ يَقُولُ: يَا فُلَانَ بن فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَقُولُ: أَرْشِدْنَا رَحِمَكَ اللَّهُ، وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ، فَلْيَقُلْ: اذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّكَ رَضِيتَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا۔

(معجم کبیر طبرانی، باب الصاد)

ترجمہ: جب تمہارے کسی بھائی کا انتقال ہوجائے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کرلو تو کوئی شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر یہ کہے: ''اے فلاں بن فلاں!'' اسے وہ میت سنے گا لیکن جواب نہیں دے گا۔پھر پکارے: ''اے فلاں بن فلاں!'' یہ سن کر وہ ٹھیک سے بیٹھ جائے گا، پھر ندا دے: ''اے فلاں بن فلاں!'' یہ سن کر وہ کہے گا: ''اللہ تم پر رحم فرمائے، تم ہماری رہنمائی کرو'' لیکن تمہیں اس کی اس بات کا شعور نہیں ہوگا پھر یہ تلقین کرے: 'اے فلاں بن فلاں! اس بات کو یاد کرو جس کے ساتھ تم دنیا سے رخصت ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ تم اس بات سے راضی تھے کہ اللہ تمہارا رب ہے اسلام تمہارا دین ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تمہارے نبی ہیں اور قرآن تمہارا امام ہے۔"

اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: وَاِسْنَادُهٗ صَالِحٌ وَقَدْ قَوَّاهُ الضِّيَاءُ فِيْ اَحْكَامِهٖ۔

(تلخیص الحبیر فی تلخیص احادیث الرافعی الکبیر، کتاب الجنائز)

ترجمہ: اس کی سند صالح ہے اور ضیاء الدین مقدسی (۵۶۹ھ/ ۶۴۳ھ) نے اپنی کتاب الاحکام میں اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔

تلقین میت چاروں فقہی مذاہب کی نظر میں:

مشہور مالکی مفسر امام قرطبی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب التَّذْكِرَةُ بِاَحْوَالِ الْمَوْتَىٰ وَ الْقُبُوْر میں اس موضوع پر یہ ایک مستقل باب باندھا ہے: بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَلْقِيْنِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهٖ شَهَادَةَ الْاِخْلَاصِ فِيْ لَحْدِهٖ (ان روایات کا باب جو موت کے بعد بندے کو قبر میں توحید کی تلقین کے سلسلے میں وارد ہیں) پھر انہوں نے قرطبہ (Cardova) کے مسلمانوں کا عمل اور اپنے شیخ ابو العباس قرطبی (۵۷۸ھ-۶۵۶ھ) کی نصیحت کا ذکر کیا ہے۔

(ص: ۱۴۳-۱۴۰، مکتبۃ دار المنہاج، ریاض)

مشہور حنفی فقیہ صاحب جوھرہ ابوبکر بن علی حدادی یمنی زبیدی (م: ۸۰۰ھ) فرماتے ہیں: اور جہاں تک قبر پر میت کی تلقین کی بات ہے تو یہ اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے۔

(جوہرہ نیرۃ: کتاب الجنائز تحت قولہ ولقن شھادتین، مطبع محمود بک، ۱۳۰۱ھ)

مشہور شافعی محدث امام نووی (۶۳۱ھ-۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کی متعدد جماعتوں کا قول ہے کہ دفن کے بعد تلقین مستحب ہے، مستحب کہنے والوں میں قاضی حسین (م: ۴۶۲ھ)، شیخ ابوسعد متولی (م: ۴۷۸ھ) اور شیخ نصر مقدسی (م: ۴۹۰ھ) بھی ہیں۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتیین، کتاب الجنائز)

امام نووی دوسری جگہ فرماتے ہیں: (مشہور ناقد حدیث) ابو عمرو بن صلاح سے تلقین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: تلقین کو ہم اختیار کرتے ہیں اور اس پر ہمارا عمل ہے۔

(کتاب اذکار المرض والموت وما یتعلق بھا، باب مایقولہ بعد الدفن)

تلقین میت کے استحباب کی بات ذکر کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: مقتدا شخصیات کے زمانے سے اب تک اہل شام کا یہی عمل رہا ہے (المجموع شرح المھذب، تعزیۃ اہل المیت سنۃ)

امام مرداوی حنبلی (۸۱۷ھ-۸۸۵ھ) فرماتے ہیں: اکثر اصحاب کے نزدیک دفن کے بعد تلقین مستحب ہے۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ۲/ ۵۴۸)

تلقین کے سلسلے میں شیخ ابن تیمیہ کی رائے

شیخ ابن تیمیہ بھی دفن کے بعد تلقین کی اباحت کے قائل ہیں، ان کے مجموع الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے، ان سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ایک مقام پر یہ جواب دیا:

موت کے بعد تلقین واجب تو بالاجماع نہیں ہے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا کے عہد میں یہ عمل مشہور تھا البتہ یہ عمل صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

آگے لکھتے ہیں: اس میں ائمہ کے تین اقوال ہیں: استحباب، کراہت اور اباحت اور اباحت کے قول میں زیادہ اعتدال ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دفن کے بعد قبر پر میت کو تلقین کرنا قرآن و احادیث، آثار صحابہ و تابعین اور چاروں مذاہب کے فقہا و محدثین سے ثابت ہے کہ یہ عمل مستحب ہے یا کم سے کم مباح ضرور ہے اور کراہت کا قول شاذ ہے۔

✲✲✲

ذیشان احمد مصباحی

چاند کا ثبوت، جدید ذرائع ابلاغ اور ہمارا طرز فکر و عمل

جدید ذرائع ابلاغ کی ہمہ گیریت اور آفاقیت کے اس دور میں بھی جب کہ پوری دنیا ایک چھوٹی سی بستی کی شکل میں سمٹ آئی ہے، ابلاغ و ترسیل کے بڑھتے قدم نے مسافت اور دوری جیسے الفاظ کو بے معنی کر دیا ہے، بعض حضرات اپنی سادگی یا حسن تغافل کے سبب دوریاں پیدا کرنے، دیواریں اٹھانے اور تفریق پیدا کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوششیں کر جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا ایک منظر ہر سال رمضان کی شام کو بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جو حسب روایت اس سال بھی نظر آیا۔ ہلال عید کے ثبوت کے لیے ہر گاؤں اور ہر قریہ کا امام شہادت رویت کے لیے ثقہ افراد کا متلاشی نظر آتا ہے۔ بعض حضرات کے اس تجاہل عارفانہ پر حیرت ہوتی ہے جو چاند کے دوسرے تمام طریقوں؛ مثلاً خبر مستفیض، اعلان قاضی وغیرہ سے خود کو ناواقف بتانے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ اس کوشش میں عامۃ المسلمین حیران و پریشان ہی کیوں نہ ہوں۔

رویت ہلال نہیں، ثبوت رویت ہلال

بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھے بغیر روزہ مت رہو اور نہ چاند دیکھے بغیر عید کرو۔ اگر فضا ابر آلود ہو تو گنتی پوری کر لو۔ لاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ، وَلاَ تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ۔

(بخاری، کتاب الصوم، باب اذا رایتم الہلال فصوموا)

اس حدیث کا ایک لفظی مطلب یہ ہوا کہ جسے بھی روزہ رکھنا ہو وہ پہلے چاند دیکھے اور اسی طرح جسے بھی عید کرنی ہو وہ پہلے چاند دیکھے۔ چاند دیکھے بغیر نہ کوئی روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ عید کر سکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ ۳۰ر تاریخ پوری کر لے۔ لیکن یہ معنی محدثین و فقہا کی کسی جماعت نے نہیں لیے۔ گزشتہ سوا چودہ سو سالوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس حدیث کے مذکورہ معنی سمجھتا ہو، اس کے برعکس متفقہ طور پر سب نے اس حدیث سے یہی سمجھا کہ روزہ رکھنے یا عید کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص چاند دیکھے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کے نزدیک چاند دیکھے جانے کا ثبوت ہو، وہ خود چاند دیکھے یا نہ دیکھے۔ دوسرے لفظوں میں رمضان و عید کے لیے ہر شخص کے لیے رویت ہلال ضروری نہیں، ہر شخص کے لیے رویت ہلال کا ثبوت ضروری ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے سامنے رویت ہلال کی شہادت گزرے یہ ضروری نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ ہر شخص کے سامنے رویت ہلال کے ثبوت کی کوئی ایسی دلیل یا ذریعہ ہو جس سے علم شرعی یعنی ظن غالب حاصل ہو جائے۔

اسی استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے فقہ اسلامی کی نامور شخصیت علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ ''اہل دیہات پر شہر سے توپوں کی آواز سننے اور قندیلوں کو دیکھنے سے روزہ لازم ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ واضح علامت

ہے جس سے غلبۂ ظن حاصل ہوجاتا ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لیے حجت شرعی ہوا کرتا ہے، جیسا کہ علما نے اس کی تصریح کی ہے۔''

یہاں یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ توپ کی آواز اور قندیل کی روشنی کو علامہ شامی نے رویت ہلال کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا ہے جب کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ بغیر رمضان کے یوں ہی کسی نے توپ داغ دی ہو یا قندیل روشن کر دی ہو۔ اس کا جواب علامہ شامی نے اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح دیا ہے:

''یہ احتمال کہ یہ عمل رمضان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہوا ہو، بعید ہے، اس لیے کہ لیلۃ الشک (یعنی ۲۹ رشعبان) کو یہ عمل ثبوت رمضان کے سوا کسی اور کام کے لیے عادتاً نہیں ہوتا۔'' (ردالمحتار، جلد ۲، باب سبب صوم رمضان)

علامہ شامی کی مذکورہ صراحت سے تین چیزیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ رمضان کے ثبوت کے لیے ہر شخص کے لیے چاند دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ چاند کے ثبوت کے لیے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً علامہ شامی کے زمانے میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ قاضی کے حکم سے شہر میں توپ داغ دی جاتی، جہاں تک اس کی آواز پہنچتی لوگ اس آواز کو سن کر روزہ رکھنا شروع کر دیتے۔

۳۔ چاند کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ایسی دلیل کافی ہے جس سے غلبۂ ظن حاصل ہوجائے، اس لیے ہر زمانے میں اس زمانے کے عرف کے اعتبار سے جن ذرائع سے غلبۂ ظن کا حصول ہوجائے، اسے کافی سمجھا جائے گا۔ علامہ شامی کی فقہی بصیرت کو سامنے رکھیے تو آج کے بہت سے سوالات حل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج کل رویت ہلال کے موقع پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر شخص رویت کی شہادت مانگتا ہے، جب کہ ہر جگہ رویت ہو یا رویت کی شہادت ہو، یہ ضروری ہی نہیں ہے۔ ضروری فقط یہ ہے کہ ثبوت رویت کا ظن غالب حاصل ہو جائے، اگر چہ اس میں بعض اعتبار سے احتمال بھی موجود ہو، کیوں کہ ظن غالب، فقہائے اسلام کے نزدیک شریعت میں عمل کے لیے حجت شرعی ہے۔

اسی طرح ایک بلا یہ عام ہے کہ موبائل، فون، ٹیلی ویژن، ای میل، فیکس وغیرہ اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ سے بعض علما کو ثبوت ہلال کا یقین حاصل ہوجاتا ہے لیکن اس کے باوجود دو گواہوں کو سو دو سو کیلومیٹر شہادت لانے کے لیے بھیجتے ہیں۔ گویا ایسے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب تک رویت پر شہادت نہ گزرے رویت کا ثبوت ہی نہیں ہوگا، اگر چہ دیگر ذرائع سے ثبوت کا قطعی یقین بھی کیوں نہ حاصل ہوجائے۔

فاضل بریلوی کی تحقیق

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی (۱۹۲۱ء) بیسویں صدی کے زبردست فقیہ گزرے ہیں۔ آپ کا زمانہ جدید ذرائع ابلاغ سے پہلے کا زمانہ ہے۔ لیکن آپ نے اپنے زمانے میں بھی چاند کے ثبوت کے لیے رویت کی شہادت پر اصرار نہیں کیا۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنی تلاش و جستجو سے ثبوت ہلال کے سات طریقے بیان کیے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) شہادت رویت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی

(۲) شہادت علی الشہادت۔ یعنی جن لوگوں کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت گزری ہو وہ اس شہادت کی شہادت دیں۔

(۳) شہادت علی القضاء۔ یعنی قاضی کے سامنے کسی دوسرے شہر میں شہادت گزری ہو، اس وقت چند لوگ موجود ہوں، وہ دوسرے قاضی کے پاس اس شہادت کے گزرنے کی شہادت دیں۔

(۴) کتاب القاضی الی القاضی۔ یعنی جس قاضی کے پاس شہادت رویت گزری ہو، وہ دوسرے قاضی کے نام مکتوب لکھے اور دو گواہوں کو اس خط کو لے کر اس قاضی کے پاس بھیجے، جو وہاں جا کر گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔

(۵) استفاضہ یا خبر مستفیض، یعنی کسی شہر کے بارے میں معلوم ہو کہ وہاں رمضان وعید قاضی یا مفتی اسلام کے حکم سے ہوتا ہے، عوام خود نہیں کرتے، وہاں سے متعدد جماعتیں آ کر شہادت دیں کہ وہاں فلاں دن روزہ رکھا جا رہا ہے یا فلاں دن کو عید ہو رہی ہے۔

(۶) اکمال عدت یعنی تیس دن مکمل کرنے کے بعد

(۷) ایسے شہر میں جہاں رمضان یا عید کے لیے ہی توپیں داغی جاتی ہوں، یا لوگوں میں یہ معروف ہو، تو اگر وہاں ۲۹ رتاریخ کو توپ داغی گئی تو جہاں تک اس کی آواز پہنچے گی، مسلمان اس آواز پر روزہ یا عید کر سکتے ہیں۔

کیا سات طریقوں پر اضافہ ممکن ہے؟

فاضل بریلوی نے اپنے عہد کے لحاظ سے کمال احتیاط کے ساتھ سات طریقے بیان کیے ہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ حدیث پاک میں چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا جو حکم ہے، اس کو صرف فاضل بریلوی نے سمجھا اور اس کے سات طریقے بیان کر دیے۔ اب اس میں حذف و اضافہ نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ سو سالوں میں جدید ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی ترقی نے دنیا کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ آپ غور کریں تو موجودہ حالات کے تناظر میں مذکورہ سات طریقوں کے علاوہ ثبوت رویت کے کئی دوسرے نئے طریقے سامنے آئیں گے بلکہ ان سات میں سے کئی طریقے محض عبث معلوم ہوں گے۔ آج اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے کتنے لوگ ہیں جو خط لکھتے ہیں۔ ہر شخص کے پاس مخصوص لوگوں کے نمبر ہوتے ہیں اور وہ جب چاہتا ہے اپنی بات اپنے مخصوص لوگوں تک بذریعۂ موبائل پہنچا دیتا ہے، انہیں اس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر آپ کے پاس آپ کے بیٹے کا نمبر ہے اور آپ نے فون سے یہ بتا دیا کہ آپ کی بیگم کا انتقال ہو گیا تو بیٹے کو ماں کی وفات میں ذرہ برابر شک نہیں ہوگا۔ اسے یقینی طور پر اپنی ماں کی وفات کا علم ہو جائے گا۔ اسی طرح فرض کیجیے کہ آپ دہلی کے قاضی ہیں اور آپ سے لکھنؤ کے قاضی نے جسے آپ جانتے ہیں اور جس کا موبائل نمبر بھی آپ کے پاس محفوظ ہے، آپ کو فون کر کے بتایا کہ میرے پاس لکھنؤ میں چاند کی رویت کی شہادت گزری ہے تو اس سے آپ کو اس شہادت کا قطعی یقین ہو گیا۔ اب ایسے میں آپ لکھنؤ کے قاضی سے اگر یہ مطالبہ کریں کہ آپ دو گواہوں کے سامنے ایک خط لکھیے اور بذریعۂ ہوائی جہاز دہلی جلد روانہ کیجیے، وہ میرے سامنے آ کر گواہی دیں گے تب آپ کی بات تسلیم کروں گا تو تو کیا آپ کا یہ مطالبہ معقول مطالبہ ہوگا۔

فقہا کی تمام عبارتوں کو چھان ڈالیے تو ان سے بس ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ فقہا نے کوشش کی ہے کہ رویت ہلال کے ثبوت کا ظن غالب حاصل ہو جائے۔ صرف افواہ پر روزہ نہ رکھا جائے نہ عید کی جائے۔ اس بات کا ظنی علم ہونا چاہیے کہ کسی مقام پر چاند ہوا ہے اور قاضی کے سامنے اس کی شہادت گزری ہے، اس سیدھی سی بات کو آج کچھ لوگوں نے ٹیڑھی کھیر بنا کر رکھ دی ہے۔

ثبوت ہلال کے نئے طریقے

بیسویں صدی کے فقہا نے ثبوت ہلال کے جو سات طریقے بیان کیے ہیں ان پر ذرا دوبارہ نظر ڈالیے اور یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ ذرائع ابلاغ و ترسیل کی غیر معمولی ترقی نے ان سات طریقوں کے کتنے امثال اور کتنی صورتیں پیدا کر دی ہیں۔

شہادت رویت کی نئی صورتیں

شہادت رویت، ثبوت ہلال کا پہلا طریقہ ہے۔ اس کے مطابق قاضی کے سامنے گواہ آتا ہے اور یہ گواہی دیتا ہے کہ میں نے رمضان یا شوال کا چاند دیکھا ہے۔ ثبوت ہلال کے اس طریقے میں قدیم زمانے سے یہ شرط چلی آ رہی ہے کہ گواہ قاضی کے سامنے موجود ہو۔ ایسا اس لیے کہ گواہی کے وقت ضروری ہے کہ گواہ کا چہرہ کھلا ہو اور قاضی اسے دیکھے اور اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس سے جرح کر سکے۔ ظاہر ہے کہ قدیم زمانے میں اس عمل کے لیے گواہ کا قاضی کی مجلس میں جسمانی طور پر موجود ہونا ضروری تھا۔ اس کے بغیر قاضی کا گواہ کو دیکھنا اور اس سے جرح و استفسار کرنا ناممکن تھا۔ یہ طریقہ آج بھی اسلامی اور غیر اسلامی عدالتوں میں رائج ہے۔

یہاں غور کیجیے تو یہ حقیقت کھلے گی کہ گواہی کے لیے گواہ کا قاضی کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر گواہی نہیں ہو سکتی۔ قدیم زمانے میں کسی کے سامنے موجود ہونے کے لیے جسمانی وجود کے ساتھ موجود ہونا ضروری تھا، اس لیے قدیم زمانے میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ گواہ گواہی دے اور جسمانی اعتبار سے قاضی کی مجلس میں موجود نہ ہو۔ آج ٹکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کے سبب یہ نہ صرف متصور ہے بلکہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے مجلس میں موجود ہوتا ہے اور اس سے بالکل اسی طرح بحث و مکالمہ ہوتا ہے جس طرح پچھلے زمانے میں جسمانی وجود کے ساتھ شریک مجلس شخص سے بحث و مکالمہ ہوتا تھا۔ اب ایسے میں یہ اصرار کرنا کہ گواہی کے لیے بہر صورت گواہ کا جسمانی وجود کے ساتھ قاضی کی مجلس میں موجود ہونا ضروری ہے، ایک غلط، غیر معمولی اور بے بنیاد مطالبہ ہے۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ آج بھی ویڈیو کانفرنسنگ بہت عام نہیں ہو سکی ہے اور مختلف وجوہات کے سبب اسے عدالتوں نے بالعموم تسلیم نہیں کیا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کا وجود سرے سے ناپید ہو۔ ابھی دو سال قبل کی بات ہے کہ پاکستانی قیدی اجمل قصاب دہلی کے تہاڑ جیل میں تھا اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے اس نے سپریم کورٹ میں اپنے بیانات دیے۔

اسے اس طور پر بھی دیکھیے کہ بالفرض آپ قاضی کے شناسا ہیں اور ۱۰۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر آپ نے چاند دیکھا۔ آپ نے ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے قاضی سے گفتگو کی اور اس سے

چاند دیکھنے کی گواہی دی۔قاضی آپ کو جان رہا ہے، پہچان رہا ہےلیکن اس کے باوجود وہ اگر آپ سے یہ مطالبہ کرے کہ ہر چند کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اور پہچان رہا ہوں لیکن آپ کی گواہی اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک آپ ۱۰۰۰ ر کیلومیٹر کی مسافت طے کرکے جسمانی اعتبار سے میری مجلس میں آکر گواہی نہیں دیتے،تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟اور ہر وہ شخص جسے اللہ رب العزت نے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ دی ہو، وہ اس مطالبے کو کیا نام دے گا؟ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہم شہادت رویت کے لیے بہر صورت مجلس میں گواہ کی موجودگی کو شرط سمجھیں۔کیا گواہی میں گواہ کے جسم کا بھی کوئی دخل ہے کہ جب تک اس کا جسم مجلس میں نہ آجائے اس کی بات نہیں مانی جائے۔کیا واقعی شہادت رویت کے لیے گواہ کا جسمانی طور پر قاضی کی مجلس میں موجود ہونا ضروری ہے؟ اس مسئلے پر عصری تناظر میں عقل و ہوش، دیانت اور غیر جانب داریت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔شہادت کے لیے ویڈیو کانفرنسنگ، باتصویر ٹیلی فونی گفتگو، معلوم نمبر سے معلوم شخص کی گفتگو وغیرہ سب کو یک لخت حرف غلط قرار دینے والے حضرات سے انصاف، تدبر، تفقہ، دیانت اور بصیرت کی گزارش ہے۔

شہادت رویت کی طرح ہی، شہادت علی الشہادت اور شہادت علی القضا پر بھی غور کیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں صورتیں بھی دراصل شہادت کی ہی ہیں۔

کتاب القاضی الی القاضی کی نئی صورتیں

ماضی میں ثبوت ہلال کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کو بھی معتمد و معتبر مانا گیا۔بقول اعلی حضرت فاضل بریلوی:

’’قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لیے مقرر کیا ہو، اس کے سامنے شرعی گواہی گزری ،اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی (مکمل امتیاز) واقع ہوا اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے۔وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا، ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے۔اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے۔(فتاویٰ رضویہ: ۱۰ر ۴۱۳)

واقعہ یہ ہے کہ ماضی میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں اطلاع دینے کے لیے خط ہی ایک موثر ذریعہ تھا، اس لیے ثبوت ہلال کے لیے ماضی کے علما نے اسے معتبر قرار دیا۔اب اس میں ایک احتمال یہ تھا کہ کوئی شخص غلط طور پر کسی کا خط پیش کر دیتا۔یوں ہی بسا اوقات یہ ممکن ہوتا ہے کہ کوئی ماہر کسی کی تحریر کی نقل اتار دے۔اس لیے اس احتمال کو کم سے کم کرنے کے لیے علمائے اسلام نے اس خط کے ساتھ ایسی شرطیں لگا دیں کہ فراڈ کا احتمال ممکنہ حد تک دور ہو سکے، اگر چہ اس کے بعد بھی کذب وفراڈ کا احتمال،ضعیف ہی سہی، باقی رہتا ہے۔

آج اگر ممبئی کا قاضی بذریعۂ خط بنگال کے قاضی کو مطلع کرنا چاہے اور خط لکھ کر دو گواہوں کو اس پر گواہ کرے اور ان کو ممبئی سے بنگال بھیجے تو نہ صرف یہ کہ جب تک یہ گواہ وہاں پہنچیں گے لوگ ۳۰ر رمضان مکمل کر کے دوسرے دن عید

کر چکے ہوں گے، بلکہ اس عمل کو موجودہ زمانے میں سراسر ایک غیر دانش مندانہ عمل کہا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں خط کے مثل فیکس، ای میل اور وائس اینڈ ویڈیو چیٹنگ نئی دریافتیں سامنے آئی ہیں، جو ثبوت کے لحاظ سے خط سے زیادہ قوی ہیں۔اس لیے کہ اگر ممبئ کا قاضی اپنی تحریر بذریعۂ فیکس یا ای میل بنگال کے قاضی کے دفتر میں اس کے نمبر اور ای میل آئی ڈی پر بھیج دے یا اپنی آئی ڈی سے اس کی آئی ڈی پر چیٹنگ کرے، تو اولاً یہ ثبوت پہنچنے میں کئی دنوں کے بجائے صرف چند لمحے لگیں گے۔ پھر اس میں فراڈ کے احتمالات قاضی کے مکتوب کے بہ نسبت بہت ہی کم ہیں۔ پھر آج کے زمانے میں تحقیق حال کے لیے وہ فوراً فون یا موبائل وغیرہ کے ذریعے رابطہ بھی کر سکتا ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ اصرار کرنا کہ آج بھی قاضی کا خط تو معتبر ہے جسے دو گواہ لے کر جائیں لیکن ثبوت ہلال کے لیے ان جدید ذرائع کا استعمال بہر حال ناجائز و نامعتبر ہے؛ کیوں کہ ماضی کے علما نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے، نہایت غیر منصفانہ ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر ممبئ کا قاضی اپنے یہاں کی شہادت کی اطلاع بنگال کے قاضی کو دینا چاہتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی کا سہارا لے، خط لکھے یا فیکس اور ای میل ہی کرے۔ایسا کیوں نہیں کر سکتا کہ اگر اس کے پاس بنگال کے قاضی کا فون نمبر ہے تو براہ راست فون پر اسے خود اطلاع دے دے۔ماضی میں قاضی کو خط لکھنے کی زحمت اس لیے پڑ رہی تھی کہ ماضی میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ ممبئ میں بیٹھ کر وہ بنگال کے قاضی سے براہ راست گفتگو کر سکے۔آج جدید ذرائع ابلاغ کی برکات کی بدولت جب اس کے لیے براہ راست قاضی سے گفتگو کرنا ممکن ہے اور اس گفتگو سے قاضی بنگال کو ثبوت ہلال کا جو یقین حاصل ہوگا، وہ اس خط سے بدرجہا زیادہ ہوگا جسے دو شخص لے کر آئیں۔پھر ایسے میں آج بھی قاضی ممبئ کو خط لکھنے کا مکلف کرنا اور فون سے بات کرنے کو اس کے لیے ناجائز و حرام قرار دینا، شریعت کو مشکل اور معاملات کو پیچیدہ بنانے کے سوا آخر اور کیا ہے؟ فرض کیجیے کہ دو نمازی اور دیندار اشخاص ممبئ سے آپ کے بھائی کا خط لے کر آئیں اور یہ بتائیں کہ آپ کے دو بھائی جو ممبئ میں تھے ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کا بھائی خود فون کر کے بتائے کہ ایک بھائی کا انتقال ہو گیا، ان دونوں صورتوں میں زیادہ آسان اور مفید یقین کون سی صورت ہے، کیا یہ بھی کوئی ارسطو کا فلسفہ اور بطلیموس کا کوئی فارمولہ ہے جس پر دماغ سوزی کرنے کی ضرورت ہو۔ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم عام مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، مشکلات پیدا نہ کریں۔ انہیں مانوس کریں، بیزار نہ کریں۔ **یسروا و لا تعسروا و بشروا ولا تنفروا** (بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ والعلم) مگر ہمارا معاملہ یکسر مختلف ہے۔

استفاضہ یا خبر مستفیض کی نئی صورتیں

استفاضہ یا خبر مستفیض کو بھی علما نے ثبوت ہلال کے باب میں بطور دلیل شرعی کے تسلیم کیا ہے۔علامہ نجم الدین سلیمان بن عبد القوی عراقی صرصری (۷۱۶ھ) لکھتے ہیں:

''مستفیض، فَاضَ المَاءُ وَ الإِنَاءُ سے مشتق ہے۔یہ

اس وقت کہتے ہیں جب پانی لبالب ہوکر کناروں سے بہنے لگے، جیسا کہ شرح خطبہ میں مذکور ہوا۔ اس اشتقاق اور عامۃ الناس کے عرف کی بنیاد پر خبر مستفیض کے سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ خبر مستفیض اس مشہور ومعروف خبر کو کہتے ہیں جو لوگوں میں اس طرح عام ہوچکی ہو کہ اس کا جھوٹ اور غلط ہونا عادۃً بعید ہو۔''

(شرح مختصر الروضۃ 2/108)

خبر مستفیض کے سلسلے میں علامہ ابن حجر ہیتمی (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''خبر مستفیض وہ خبر ہے جو لوگوں میں مشہور ہو اور اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہو، جو خبر لوگوں میں تو مشہور ہو لیکن اس کی کوئی بنیاد نہ ہو، تو وہ خبر مستفیض نہیں ہے۔ کبھی خبر مستفیض کو خبر مشہور بھی کہتے ہیں، اس طرح وہ دونوں مترادف ہوتے ہیں، جب کہ ایک قول یہ ہے کہ مستفیض اس مشہور خبر کو کہتے ہیں جو متواتر ہو اور ایک قول یہ ہے کہ خبر مستفیض، خبر متواتر اور خبر آحاد سے الگ، خبر کی ایک تیسری قسم ہے، جب کہ محدثین کے یہاں مستفیض، متواتر سے عام ہے۔

خبر مستفیض میں فقہا کے نزدیک کم از کم دو مخبر کا ہونا ضروری ہے اور علماے اصول کے یہاں تین سے زائد افراد کا ہونا ضروری ہے جب کہ محدثین کے یہاں کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے۔ اس تفصیل سے استفاضہ اور تواتر کا فرق واضح ہوگیا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خبر مشہور عام ہے جب کہ خبر مستفیض خاص ہے؛ کیوں کہ ہر خبر مشہور خبر مستفیض نہیں۔ اسی وجہ سے فقہا نے کہا ہے کہ استفاضے میں یہ شرط ہے کہ خبر اتنی بڑی جماعت سے سنی جائے کہ دل میں ان کی صداقت جم جائے اور سب کے بالاتفاق جھوٹے ہونے کا خوف نہ رہ جائے۔ اس لیے اس میں فقط دو عادل سے سننا کافی نہیں ہے۔ خبر متواتر کی طرح ہی خبر مستفیض میں بھی گواہوں کا عادل، آزاد اور مرد ہونا شرط نہیں ہے۔

(الفتاوی الفقہیۃ الکبریٰ، 2/61)

ایک سوال یہ ہے کہ استفاضے کا تحقق کیسے ہوگا؟ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ ''اگر آسمان ابر آلود نہ ہو تو اس وقت چاند کے ثبوت کے لیے اتنی بڑی تعداد درکار ہے جس سے علم شرعی حاصل ہوجائے، اور علم شرعی یہ ہے کہ ان کی خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہوجائے۔ مذہب حنفی کے رو سے یہ تعداد امام کے سپرد ہے، اس کا تعین نہیں کیا جاسکا ہے، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ دو گواہوں کی گواہی پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔''

(بِلَا عِلَّةٍ جَمْعٌ عَظِيمٌ يَقَعُ الْعِلْمُ) الشَّرْعِيُّ وَهُوَ غَلَبَةُ الظَّنِّ (بِخَبَرِهِمْ وَهُوَ مُفَوَّضٌ إلَى رَأْيِ الْإِمَامِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ بِعَدَدٍ) عَلَى الْمَذْهَبِ وَعَنْ الْإِمَامِ أَنَّهُ يُكْتَفَى بِشَاهِدَيْنِ۔ (ردالمحتار: ۷/ ۳۶۷)

اس سلسلے میں علامہ رحمتی کی یہ عبارت علما کے یہاں مشہور ہے:

مَعْنَى الِاسْتِفَاضَةِ أَنْ تَأْتِيَ مِنْ تِلْكَ الْبَلْدَةِ جَمَاعَاتٌ مُتَعَدِّدُونَ كُلٌّ مِنْهُمْ يُخْبِرُ عَنْ أَهْلِ تِلْكَ الْبَلْدَةِ أَنَّهُمْ صَامُوا عَنْ رُؤْيَةٍ لَا مُجَرَّدِ الشُّيُوعِ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ بِمَنْ أَشَاعَهُ۔ (ردالمحتار ۷/ ۳۷۵)

استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام یہ اطلاع دیں کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند

دیکھ کر روزہ رکھا ہے، محض ایسی افواہ جس کا پھیلانے والا معلوم نہ ہو، استفاضہ نہیں ہے۔

یہ توضیح استفاضے کی حقیقت کو نہیں بتاتی، استفاضے کے تحقق کی ایک صورت کو بتاتی ہے، جو قدیم زمانے میں رائج تھی ۔فقہا کی عبارتوں کی روشنی میں خبر مستفیض کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ مشہور خبر جو نہ متواتر ہو نہ مجہول ہو، مشہور اور شائع و ذائع ہو، اس کے ساتھ اس کی کوئی بنیاد ہو، خبر دینے والوں کا اتا پتہ ہو، وہ محض افواہ نہ ہو، ایسی خبر سے ظن غالب کا حصول ہو جاتا ہے جو شریعت میں عمل کے باب میں حجت ہے۔اب ایسی خبر جس طریقے سے بھی حاصل ہو جائے وہ خبر مستفیض ہی ہوگی نہ کہ کچھ اور۔علامہ رحمتی نے خبر مستفیض کی جو ایک شکل بتائی ہے بعض علما نے اسی ایک شکل کو اس کی حقیقت سمجھ لیا جو ان کا تسامح ہے۔ ماضی میں ایک شہر سے جب کوئی دوسرے شہر جاتا تھا جب ہی اس شہر کے حالات دوسرے لوگوں کو ملتے تھے۔اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں تھا۔آج مواصلات کی دنیا میں ایسا انقلاب آیا کہ دوریاں رہ کر بھی دوریاں نہیں رہیں۔ ہر شہر کا آدمی دوسرے شہر کے حالات سے ہر وقت اسی طرح واقف ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے شہر کے حالات سے واقف ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شہر کے حالات اس کے تمام شہریوں تک پہنچنے سے بہت پہلے دوسرے شہر تک پہنچ جاتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک شخص الٰہ آباد کا رہنے والا ہے، وہ دہلی کے اوکھلا علاقے میں ملازمت کرتا ہے، ۲۹؍رمضان کو شاپنگ کے لیے مینا بازار جامع مسجد جاتا ہے۔جامع مسجد کے میناروں سے اعلان ہوتا ہے کہ آج ۲۹؍رمضان کو چاند کی رویت ہوگئی ہے، کل عید کی نماز ادا کی جائے گی۔ یہ شخص اپنی قیام گاہ اوکھلا، نئی دہلی پہنچنے سے قبل ہی الٰہ آباد اپنے وطن کے قاضی کو فون کر دیتا ہے، اس طرح جامع دہلی کے مینار سے ہونے والا اعلان دہلی کے اوکھلا علاقے تک پہنچنے سے قبل الٰہ آباد پہنچ گیا۔اسی وقت پٹنہ، لکھنؤ، بنارس، مبارک پور، بریلی، بدایوں، کچھوچھہ اور کانپور کے معتبر مقامات سے بھی اعلان عید کی خبر قاضی صاحب تک آ گئی۔اتنی خبریں آنے کے بعد اس خبر کے صحیح و درست ہونے کا یقین یا کم از کم ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ خبر عام خبر کے درجے سے بلند ہو کر خبر مستفیض کا درجہ حاصل کر لیتی ہے جسے شریعت نے دلیل و حجت تسلیم کیا ہے، لیکن بعض حضرات کو اب بھی اصرار ہے کہ خبر مستفیض وہی ہوگی جسے لے کر مختلف جماعتیں آئی ہوں۔ یہ اصرار ایسا ہی ہے جیسے کوئی ایٹمی عہد کے زمانے میں سیف وسنان سے جہاد کرنے کا اصرار کرے۔

علامہ رحمتی کی تشریح پر شیخ الاسلام کا حاشیہ

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی نے ۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷؍نومبر ۲۰۰۳ء بروز دوشنبہ مبارکہ کسی مولانا عبدالرشید کو ایک خط لکھا ہے جس میں علامہ رحمتی کی تشریح کو ذکر کرتے ہوئے خبر مستفیض کی ایک نئی شکل لکھی ہے۔ اس خط کو کسی خطاط سے لکھوا کر اس کی کاپیاں تقسیم کی گئی ہیں، اس کی ایک کاپی میرے سامنے ہے، شیخ الاسلام اس میں لکھتے ہیں:

''ثبوت ہلال کے لیے خبر واحد معتبر نہیں، اس کے لیے خبر مستفیض چاہیے۔متون میں صرف **لو استفاض الخبر** (جب خبر مشہور ہو جائے) کے الفاظ ہیں۔خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے، اس لیے کہ اس عہد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہنچانے کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ

جماعت وہاں جا کر خبر دے۔ خبر مستفیض کے لیے متعدد جماعتوں کی خبر کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ وہ جماعتیں آ کر خبر دیں یا کسی آلۂ خبر کے ذریعہ خبر دیں مگر آلۂ خبر وہ ہو جس سے براہ راست مخبر کی آواز سنی جا سکے اور اس کی کسی نہ کسی حد تک پہچان ہو سکے۔ اس طرح حاصل شدہ خبر کو خبر مستفیض ہی قرار دیا جائے گا۔ اب اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شہر کا قاضی یا اس کا قائم مقام (مثلاً رویت ہلال کمیٹی) دوسرے ثبوت والے شہر کے جانے پہچانے اتنے افراد سے جن کو متعدد کہا جا سکے ہر ایک سے الگ الگ نمبر پر ٹیلی فون کے ذریعہ خبریں حاصل کرے، یہ ساری خبریں مل کر خبر مستفیض ہو جائیں گی اور اس پر رویت ہلال کے ثبوت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور بلا تکلف عید وغیرہ کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کا دائرۂ عمل جہاں تک ہے وہاں کے رہنے والوں کو اس اعلان پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ کتنے لوگوں کو متعدد جماعت کہا جائے؟ اور ان کی خبر کو خبر مستفیض کہا جائے؟ اس کے لیے پہلے یہ متعین کرنا ہوگا کہ ایک جماعت کا اطلاق کتنے لوگوں پر کیا جائے؟ اگر دو فرد کو ایک جماعت قرار دیا جائے تو متعدد جماعت چار یا چھ افراد پر مشتمل ہوگی۔ یوں ہی اگر ایک جماعت تین کو کہا جائے تو متعدد جماعت میں ۶/ یا ۹/ افراد ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایک جماعت چار افراد کو کہا جائے تو متعدد جماعت ۸/ یا ۱۲/ افراد پر مشتمل ہوگی۔ اس مقام پر سب سے زیادہ خوب صورت بات یہ ہے کہ متعدد جماعت کے مسئلے کو قاضی یا اس کے قائم مقام کے صواب دید پر چھوڑ دیا جائے، وہ خود تعداد مقرر کرے، وہ تعداد ایسی ہو جن کا غلط بیانی پر اتفاق کر لینا خود قاضی کی نگاہ میں عادۃً ناممکن ہو اور جن کی خبروں سے خود قاضی کو ثبوت ہلال کا یقین شرعی (ظن غالب) حاصل ہو جائے۔ اس مقام پر یہ خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ ایک شکل ہے دور والے سے خود بذریعۂ ٹیلی فون خبر لینا اور دوسری شکل ہے دور والے کا خود بذریعہ ٹیلی فون خبر دینا۔ ان دونوں شکلوں میں فرق ظاہر ہے۔ پہلی شکل میں ہم اپنے جانے پہچانے لوگوں سے رابطہ پیدا کر کے ان سے خبر لیتے ہیں، اس لیے اس میں کوئی دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے برعکس دوسری شکل میں خبر دینے والوں سے ہم خود بے خبر ہوتے ہیں تو اس میں دھوکے کا امکان ہے کہ خبر دینے والے اپنے ہم مسلک ہیں بھی کہ نہیں۔ نیز خبر مستفیض کے لیے جتنی تعداد مطلوب ہے اتنے ہی افراد خبر دے رہے ہیں یا چند لوگ ہیں جو آواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں؟ الغرض دوسری شکل سے قاضی کو وہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جو پہلی شکل سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے دور فتنہ میں اعتبار پہلی ہی شکل کا ہوگا۔

خبر مستفیض کی تشریح علامہ رحمتی نے اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے اور یہ خاکسار اس کی تشریح اپنے عہد کے لحاظ سے کر رہا ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس خاکسار کی تشریح علامہ موصوف قدس سرہ کی تشریح کو باطل قرار نہیں دیتی، بلکہ خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس خاکسار کی تشریح کو بہت سے علمائے کرام کی تائید حاصل ہو چکی ہے اور بعض مقامات پر اس پر عمل بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس تشریح نے بحمدہ تعالیٰ بہت سارے فتنوں کا سد باب بھی کر دیا ہے۔''

مفتی عبید الرحمن رشیدی کی تحقیق

علامہ مفتی عبید الرحمٰن رشیدی فاضل اشرفیہ مبارک پور اور سجادہ نشین آستانۂ عالیہ رشیدیہ جون پور کی شخصیت فقہ و تصوف کے حوالے سے ایک معتبر و مستند شخصیت ہے۔ علمی رسوخ،

عالمانہ وقار، تواضع اور اعتدال کے سبب مختلف فقہی مسائل و مباحث میں منفرد فکر و تحقیق رکھنے کے باوجود وہ علما میں غیر متنازع اور محبوب ہیں۔ خبر مستفیض کے سلسلے میں ان کی ایک مختصر تحریر میرے سامنے ہے۔ یہ تحریر مجھے مولانا ابرار رضا رشیدی مصباحی نے بذریعۂ ای میل بھیجی ہے جو حضرت مفتی صاحب قبلہ کے مرید ہیں۔ اس تحریر کا عنوان ہے: ''موبائل کی خبروں سے استفاضۂ شرعی کا تحقق''۔ اس تحریر میں انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحریروں کو اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ثبوت ہلال کے طریقوں میں سے ایک طریقہ استفاضۂ شرعی بھی ہے جو از قبیل شہادت نہیں بلکہ از قبیل خبر ہے جب کہ مشہور اور باتحقیق ہو۔ فتاوی رضویہ میں ہے :

''ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ و اشتہار کافی نہ جانا بلکہ اس کے ساتھ تحقیق کی قید زیادہ فرمائی۔'' (۴/ ۵۶۲)

معلوم یہ ہوا کہ خبر مشہور اگر باتحقیق ہو تو یہ استفاضۂ شرعی ہے اور ثبوت ہلال میں معتبر ہے۔ اب رہی یہ بات کہ علامہ رحمتی نے استفاضۂ شرعی کا جو معنی بتایا ہے کہ بلدۂ ثبوت سے متعدد جماعتیں آکر بیان دیں تو یہ ان کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے دور میں تحقیق کی یہی ایک صورت تھی۔ موجودہ ذرائع ابلاغ ان کے دور میں نہیں تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تحقیق اسی معنی میں منحصر ہو۔''

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے دور میں ٹیلیفون کا حال تار جیسا تھا یعنی جس طرح تار کی خبر میں وسائط کثیرہ ہوا کرتے ہیں، اسی طرح ٹیلیفون کی خبر میں بھی وسائط ہوا کرتے تھے، مخبر کی خبر براہ راست موصول نہیں ہوا کرتی تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ میں عام طور پر ٹیلی فون کا وہی حکم دیا گیا جو تار کا تھا، پھر یہ کہ تار ہو کہ ٹیلیفون یا موبائل اگر ان کے ذریعہ موصولہ خبر حد شہرت کو نہ پہنچتی ہو تو یہ مطلقاً غیر معتبر ہے، اس لیے کہ نہ تو یہ شہادت ہے، نہ استفاضہ اور اگر حد شہرت کو پہنچتی ہو مگر بے تحقیق ہو تو یہ بھی غیر معتبر ہے اور افواہ ہے اور اگر حد شہرت کو پہنچتی ہو اور بے تحقیق نہ ہو بلکہ باتحقیق ہو تو یہ استفاضۂ شرعی ہے اور معتبر ہے، موبائل کا حال، تار، ٹیلی فون سے کافی مختلف ہے، اس میں وسائط نہیں ہوتے، مخبر کی خبر براہ راست موصول ہو جاتی ہے۔ یہ خبر **لَا یَعلَمُ مَن اَشَاعَهَا** کی منزل میں نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مختلف جگہوں سے رویت ہلال کی خبریں موصول ہوں اور باتحقیق ہوں تو یہ استفاضۂ شرعی ہو جائیں گی۔''

اعلان رویت کی نئی صورتیں

چاند کے ثبوت کے دیگر ذرائع میں ایک اعلان قاضی بھی ہے۔ رویت ہلال کے سلسلے میں قاضی کا اعلان اس کے دائرۂ قضا میں ثبوت ہلال کے لیے ایک معتبر ذریعہ ہے۔ ماضی میں اعلان کے لیے منادی کا استعمال ہوتا تھا۔ ایک شخص نگاڑا پیٹتا ہوا گشت کرتا اور حاکم شہر یا قاضی شہر کی طرف سے اعلان کرتا جاتا۔ اعلان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مسجد کے مینارے پر شمع روشن کر دی جاتی یا توپ داغ دی جاتی، اس حوالے سے علامہ ابن عابدین شامی کی عبارت اس مضمون کے آغاز میں گزر چکی۔

سوال یہ ہے کہ اس زمانے میں رویت کے اعلان کے لیے حاکم اسلام، قاضی اسلام یا مفتی شہر کون سا طریقہ اپنائے۔ کیا آج بھی عظیم الشان اور پر شور شہروں کے گلی کوچوں میں نگاڑا پیٹا جائے یا جامع مسجد کے میناروں پر قندیل روشن کی جائے؟ اب تو شہر اتنے بڑے ہو چکے ہیں کہ

قندیلوں کی روشنی اور توپوں کی آواز پورے شہر میں بھی نہیں پہنچ سکتی چہ جائے کہ اطراف کی بستیوں تک پہنچ سکے۔

آج مسلم اور غیر مسلم حکومتیں اپنا اعلان ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات اور انٹرنیٹ کے ذریعے کرتی ہیں۔ آج خود مسلمانوں کے اپنے ٹیلی ویژن چینل ہیں، ایف ایم ریڈیو چینل آسانی سے چھوٹے چھوٹے ادارے اپنے طور پر قائم کر لیتے ہیں، بعض اخبارات مسلمان خود نکالتے ہیں، اکثر بڑے مدارس ،خانقاہوں، علما کی اپنی ذاتی ویب سائٹس ہیں، ان وسائل کا استعمال کر کے آج رویت ہلال کا اعلان کیوں نہیں ہوسکتا؟ اعلان رویت ہلال کے لیے ان جدید ذرائع کے استعمال سے کون سی چیز مانع ہے؟ بطور خاص اس زمانے میں جب کہ ان ذرائع سے شائع خبروں کی تحقیق بہت ہی آسان ہے۔ کیا صرف اس لیے ان ذرائع اعلان کو مسترد کر دیا جائے کہ یہ ذرائع ماضی میں نہیں تھے؟ یا اس لیے انہیں رد کر دیا جائے کہ ڈھول تاشہ اور نگاڑا بجانے، شمع روشن کرنے اور توپ داغنے کے بہ نسبت ان ذرائع میں شبہات اور احتمالات زیادہ ہیں؟ کیا واقعی ایسا ہے؟ قاضی شہر کے ذاتی موبائل نمبر سے اطراف اور قرب وجوار کے ائمہ ومدرسین رابطہ کریں اور قاضی کی طرف سے بتایا جائے کہ رویت کا اعلان کر دیا گیا ہے تو کیا یہ اطلاع کافی نہیں؟ کیا اس دلیل میں مینار کی قندیلوں سے بھی کم روشنی ہے؟ یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے کہ اگر قاضی القضاۃ فی الملک اعلان کر دے اور وہ اعلان ان جدید ذرائع کے توسط سے اس طور سے ملک بھر میں شائع و ذائع ہوجائے کہ اس اعلان کا یقین یا ظن غالب حاصل ہوجائے تو کیا اس کے بعد بھی ہر مفتی محلہ اور امام مسجد کے لیے عینی شاہد کے مطالبے کا حق رہتا ہے؟ آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ شریعت تو آسانی چاہتی ہے لیکن ہم پریشانی اور مشکل پسندی کی خواہاں ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی کا موقف

شارح صحیح مسلم محقق عصر علامہ غلام رسول سعیدی (پاکستان) لکھتے ہیں :

''حکومت پاکستان نے ہر بڑے شہر میں ایک زونل رویت ہلال کمیٹی بنائی ہے اور ایک مرکزی رویت ہلال کمیٹی ہے۔ جس شہر میں چاند کا ثبوت شرعی ہوجائے تو اس شہر کی رویت ہلال کمیٹی چاند کا فیصلہ کرتی ہے اور اپنے اعلان سے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو مطلع کرتی ہے اور مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا چیرمین ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس فیصلے کا اعلان پورے ملک میں نشر کرتا ہے اور ملک کے مسلمان اس فیصلہ کے مطابق روزے اور عید وغیرہ کے احکام بجا لاتے ہیں۔ بعض علما کی طرف سے رویت ہلال کمیٹی پر مسلسل اعتراضات کیے جاتے ہیں، اگر حسن نیت سے مسئلہ کی چھان بین کے لیے اعتراضات کیے جائیں تو یہ مستحسن امر ہے؛ کیوں کہ اس سے مسئلہ کے تمام پہلو واضح ہوجاتے ہیں اور اگر رویت ہلال کمیٹی کے طریقۂ کار میں سقم ہو تو اسے درست کرنے کا موقع ملتا ہے۔ علامہ محمد کرم شاہ الازہری رویت ہلال کمیٹی کے طریقۂ کار کو دلائل سے واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقہاے کرام نے جب توپ کی گونج دار آواز اور قندیلوں کی روشنی کو طرق موجبہ میں شمار کیا ہے جو رویت ہلال کے لیے شرعی شہادات ہیں تو ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے اعلان کو طرق موجبہ میں شمار نہ کرنا بے انصافی کی انتہا ہے کہ رویت ہلال کمیٹی شرعی شہادات کے بعد رویت کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کا چیرمین صاف الفاظ میں اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہم نے شرعی ثبوت کی بنا پر رویت ہلال کے متحقق ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل رمضان ہوگا یا عید ہوگی۔ اس کے بیان سے جو علم شرعی

یعنی غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے وہ اس علم شرعی سے بدرجہا اقویٰ اور ارفع ہے جو توپ کے داغے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

باقی رہا اعلان رویت، تو یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل ہے جو اس حدیث مبارک میں مذکور ہے:

ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! پھر فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد (روحی فداہ) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! حضور نے فرمایا: اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔

(اس حدیث کو امام احمد کے سوا پانچ اصحاب صحاح نے روایت کیا ہے۔)

اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال کے اعلان کو اس بنا پر نظر انداز کر دیا گیا ہو کہ نہ ہم نے چاند خود دیکھا ہے اور نہ ہمارے سامنے دو گواہوں نے شہادت دی ہے، اس لیے ہم اس اعلان پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں، سیدھی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ اعلان شرعاً معتبر نہ ہوتا تو صادق برحق صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم ہی نہ دیتے، حاکم اسلام کے فیصلہ کا اعلان حضرت بلال کی سنت ہے اور اس پر عمل کرنا جملہ صحابہ کرام کی سنت۔'' (شرح صحیح مسلم، ۵۶/۳)

حرف اختتام

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رویت ہلال کے باب میں جدید ذرائع ابلاغ کے تعلق سے ہند و پاک کے اکثر علما کا موقف واضح ہے۔ تنگ دامانی کا شکوہ ہے، ورنہ عالم عرب کے علما کی آرا بھی نقل کی جاتیں جس سے واضح ہوتا کہ اس باب میں عالم اسلام کے جمہور علما کی عام رائے کیا ہے اور ہم مٹھی بھر دیوانے کہاں جا رہے ہیں۔

آخر میں صرف ایک بات کہوں گا، وہ یہ کہ ہمیں فقہی معاملات میں فیصلے کرتے وقت عرف اور حالات سے مکمل چشم پوشی یکسر زیب نہیں دیتی۔ اس چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالہا سال لکیریں پیٹنے کے بعد جب ہمیں ہوش آتا ہے تو قافلۂ حیات کافی آگے بڑھ چکا ہوتا ہے اور لوگ ہم پر ہنس رہے ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگرام کی نمائش، لاؤڈ اسپیکر پر نماز، ٹرین پر نماز اور اس قسم کے کئی مسائل میں ہم اپنا حشر دیکھ چکے ہیں۔ رویت ہلال کے باب میں اگر ہم نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور اپنی پرانی روش سے باز نہیں آئے تو اس میں بھی ہمارا حشر کچھ مختلف نہیں ہوگا۔ رویت ہلال کے باب میں جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کو روکنے کی کوشش کرنا طوفان کو روکنے کے لیے شترمرغ کا ریت میں اپنا سر چھپانے جیسا ہے۔ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ورنہ۔ع

سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیے

مقام غور ہے کہ جو امت چودہ سو سال پہلے سیکڑوں میل کے فاصلے پر بغیر کسی مادی وسیلے کے یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل کے نعرے سن کر معرکے فتح کر رہی تھی اس کے بعض افراد آج اس قدر وہمی ہو چکے ہیں کہ وہ آج مادی وسائل سے آنے والی آواز کا بھی یکسر انکار کر دیتے ہیں اور مستزاد یہ کہ رویت ہلال کے علاوہ عبادات و معاملات کی دیگر تمام صورتوں میں اس پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!!

✲✲✲

اعلان برائے داخلہ سال:2013-14

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، اسٹڈی سینٹر (019)

سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) کے تحت داخلے کا آغاز ہو چکا ہے

B.A.,B.Com اور M.A.(Urdu,English,History)

خواہشمند طلبہ وطالبات وقت مقررہ پر داخلے کی کارروائی مکمل کرلیں۔

تاریخ داخلہ میں توسیع

اب 20/ اکتوبر 2013 تک

داخلے کی کاروائی جاری رہے گی

معلومات کے لیے رابطہ کریں:

سید محمد فرقان سعیدی

جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

9335292771, 8081109914

سید قمر الاسلام

دعوت دین: مقصد اور اسلوب

عصر حاضر میں کتاب وسنت کے بتائے ہوئے اصول سے انحراف کی وجہ سے دعوت وتبلیغ کی تمام کوششیں اپنا اثر کھو چکی ہیں۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (النحل:۱۲۵)

حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے، اور ان سے بہترین طریقے پر بحث کیجیے، آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے دور ہو گئے اور ان کو بھی جو ہدایت پر ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں یہ آیت ایک مکمل دستور عمل کی حیثیت رکھتی ہے، اس مختصر سی آیت میں مقصد دعوت اور اسلوب دعوت دونوں ہی کا بیان ہے، دین حق کے داعی پر لازم ہے کہ وہ اس قرآنی پیغام کو حرز جاں بنائے۔

آیت کے بنیادی مشمولات یہ ہیں:

۱۔ رب کے راستے کی دعوت

۲۔ دعوت میں حکمت کا استعمال

۳۔ عمدہ نصیحت

۴۔ اگر بحث ومباحثہ کی نوبت آ پڑے تو نہایت متانت سے احسن طریقے پر گفتگو کرے۔

۵۔ ہدایت اور ضلالت کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

رب کے راستے سے دین وشریعت، اور اسلام مراد ہے۔ سبیل ربک کے عنوان سے تعبیر کر کے اس طرف توجہ دلائی گئی کہ یہ دعوت کسی گروہ بندی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ اس راستے کی طرف بلانا ہے جو بندے کو اپنے خالق ومالک سے ملاتا ہے۔ لہٰذا ہماری تبلیغی کوشش کا مقصد رب کے راستے کی طرف بلانا ہو۔ جس کی طرف انبیا ومرسلین نے اپنی اپنی قوم کو بلایا اور جس کی رہ نمائی اس کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جس کا ذکر قرآن کی پہلی سورت میں اس انداز میں ہوا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الفاتحہ ۶،۷)

اے ہمارے رب! ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا جو بھٹک گئے۔

بارگاہ الٰہی کے انعام یافتہ کون ہیں؟ دوسری آیت میں ہے:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (نسا:۶۹)

اللہ کا انعام ہوا نبیوں پر، صدیقین پر، شہیدوں پر اور نیک وصالح بندوں پر، یہ لوگ کتنے اچھے رفیق ہیں!

آیت کا یہ حصہ ان تمام لوگوں کے لیے وارننگ warning ہے جو دنیا کو فرقہ پرستی، گروہ بندی اور شخصیت پرستی کے جہنم میں جھونک دینا چاہتے ہیں، وہ دانستہ یا نادانستہ طور پہ شیرازۂ امت کو بکھیرنے کے درپے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی سوچ، اپنے نصب العین اور اپنے رویوں کے احتساب

واصلاح کی ضرورت ہے۔

اسلام کے داعی کے لیے سب سے اول شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حکمت ہو۔اللہ نے اپنے تمام پیغمبروں کو حکمت عطا فرمائی۔نیز قرآن کے مطابق تعلیم حکمت رسول اللہ ﷺ کے فریضہ کا ایک حصہ تھا۔آپ نے جہاں مسلمانوں کو کتاب الٰہی کی تعلیم دی،ان کا تزکیہ کیا،تو وہیں حکمت سے بھی ان کو آراستہ فرمایا۔

علمائے تفسیر نے حکمت کی مختلف تفسیریں کی ہیں،امام فخر الدین رازی،علامہ آلوسی،سید طنطاوی کے علاوہ بہت سارے لوگوں کے نزدیک حکمت وہ قطعی دلیل یا قول ہے جس سے شکوک وشبہات ختم ہوجائیں اور حق واضح ہوجائے۔علامہ بغوی اور طبری نے لکھا کہ حکمت سے مراد وحی اور کتاب ہے۔سعدی لکھتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کے مزاج،اور ذہانت ومرتبے کے لحاظ سے گفتگو کرنا حکمت ہے۔امام قشیری فرماتے ہیں کہ حکمت کے ساتھ دعوت یہ ہے کہ داعی اپنی زبان سے جس چیز کی دعوت دے رہا ہے عملا اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔بعض علما کہتے ہیں کہ حکمت ایسی بصیرت ہے جسے اللہ دلوں میں رکھ دیتا ہے اور پھر اس سے اس شخص کو منور کردیتا ہے۔سب کا ماحصل صرف یہی ایک بات ہے کہ وہ انداز یا تدبیر اختیار کرنا جس سے مخاطب اسلام کی طرف مائل ہوجائے۔

دعوت کا نقطۂ آغاز کیا ہو،اسلام میں وہ کون سی چیزیں ہیں جن کو اولیات کا درجہ حاصل ہے،اور کون سے امور ثانوی نوعیت کے ہیں۔اور کس ترتیب سے کار دعوت کا آغاز کیا جائے؟ان سب کا جاننا ایک مبلغ کے لیے اشد ضروری ہے،اس کے بغیر دعوت کا عمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ان مبادیات سے بے خبری ہی کا ثمرہ ہے کہ آج بھی اہل علم میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو غیر مسلم کو داخل اسلام کرنے سے پہلے ہی ختنہ کے مسئلے پر غور کرنا شروع کردیتے ہیں یوں ہی فرائض کے بجائے داڑھی اور ٹوپی پہننے پر اصرار کرنا صرف حکمت وبصیرت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔حالانکہ خود ان کے ہی گھر میں مرد داڑھی سے اور عورتیں پردہ سے مکمل طور پر ''محروم'' ہوتی ہیں۔

حضرت موسی کے زمانہ میں فرعون مصر کا نہایت شیطان صفت بادشاہ تھا۔اس سے بڑھ کر سرکشی اور کیا ہوسکتی تھی کہ اس نے یہ اعلان کردیا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ (نازعات:۲۴)

اللہ نے حضرت موسی وہارون علیہما السلام کو اس کے پاس بھیجا،تو ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کردی:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ ۴۴)

فرعون کے پاس جاؤ،وہ سرکش ہوگیا ہے،تم دونوں اس سے نرم انداز میں گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اس کے اندر خوف پیدا ہو۔

یہ آیت دیدۂ عبرت کی طالب ہے کہ فرعون جیسے کافر و سرکش کے پاس بھی جب حق کا پیغام لے کر حضرت موسیٰ و ہارون گئے تو نرم انداز میں گفتگو کرنے کا حکم ہوا۔آج جس طبقے میں بھی ہم تبلیغ کریں،کیا وہ فرعون سے بڑھ کر سرکش ہوسکتا ہے؟، یا ہم حضرت موسی وہارون سے بڑے داعی ومبلغ ہیں۔؟تو جو حق اللہ نے اپنے پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے غیظ وغضب کے ساتھ گفتگو کریں۔اس پر جملے کسیں،اس کی

توہین کریں،اس کے جذبات کا استحصال کریں۔وہ حق ہمیں کیسے مل سکتا ہے؟

ہر لمحہ یہ ذہن نشین رہے کہ یہ جنگ یا مناظرے کا میدان نہیں، بلکہ دعوت وتبلیغ کا میدان ہے۔تینوں کے مزاج ومعیار اور طریق کار میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔جنگ کے میدان میں فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے رہتا ہے،مناظر ہمیشہ اپنی علمی برتری ثابت کرنے اور اپنے مقابل کو نیچا دکھانے کی تاک میں رہتا ہے,جب کہ ایک مبلغ کی ہمیشہ یہ آرزو ہوتی ہے کہ کس طرح وہ اپنے مخاطب کو حق کا راستہ دکھادے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت ومحبت کا تذکرہ قرآن میں ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۵۹)

آپ اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے اپنے اصحاب کے لیے نہایت نرم ہیں، اور اگر آپ سخت اور ترش رو ہوتے تو یہ اصحاب آپ کے اردگرد جمع نہ ہوتے اور آپ کی قربت اختیار نہ کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نصیحت فرمائی:

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلَا تُنَفِّرُوا

(بخاری کتاب الادب)

لوگوں کے ساتھ آسانی سے پیش آؤ، سختی نہ کرو، خوش خبری سناؤ، نفرت نہ پھیلاؤ۔

یہی وہ حکمت ہے جسے ایک حدیث میں مومن کا گم شدہ سرمایہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ نے اسے خیر کثیر سے تعبیر فرمایا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرہ:۲۶۹)

اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے۔اور جسے حکمت ملی تو وہ گویا خیر کثیر پا گیا۔اس سے صرف عقل والے ہی نصیحت لے سکتے ہیں۔

دعوت کی دوسری شرط موعظہ حسنہ ہے۔یعنی اس پرسوز اور موثر انداز میں گفتگو کی جائے کہ داعی کے ہر ہر لفظ سے اخلاص و محبت کی خوشبو پھوٹے، جسے سن کر مخاطب قبول حق کی طرف مائل ہو جائے۔اور دین کی آواز صرف اس کے کان تک ہی محدود نہ رہے ،بلکہ وہ اس کے روح کی غذا اور دل کی صدا بن جائے۔آخرت اور خدا کی شان قہاری کا تذکرہ ہو تو ہر ایک مبہوت وساکت ہو جائے اور جب رب کریم کی رحمت وعنایت کی بات آجائے تو گنہ گار سے گنہ گار کو بھی بخشش کی امید ہونے لگے۔

سید طنطاوی لکھتے ہیں کہ:''موعظۂ حسنہ وہ نصیحت وعبرت جو دلوں کو نرم کردے،نفس میں نکھار پیدا کرے اور جس کو سن کر سامعین طاعت کی طرف مائل اور گناہوں سے متنفر ہونے لگیں۔''

کار دعوت کی بنیاد ان ہی دو اصولوں پر ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔لیکن دعوت میں کبھی ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو شک و بے یقینی کا شکار ہوتے ہیں،وہ داعی کے ساتھ بحث وجدل پر آمادہ ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں مجادلہ(Debate) کی تعلیم دی گئی لیکن مجادلہ صرف ناگزیر صورت حال میں ہو،مگر یہ مجادلہ نہ علمی برتری ثابت کرنے کے لیے ہو اور نہ ہی اس سے سامنے والے کی توہین وتحقیر مقصود

ہو،اس طرح کے مجادلے کے لیے سنجیدہ حکمت عملی اور مثبت طرز عمل درکار ہے،اسی کی وضاحت کے لیے مجادلہ کے ساتھ احسن کی قید لگا دی گئی۔احسن سے مراد یہ ہے کہ گفتگو نرمی،خیر خواہی،اور ہم دردی کے جذبے سے ہو۔ٹھوس شواہد پیش کیے جائیں۔تا کہ مخاطب کے شکوک وشبہات دور ہوں،اور وہ ہٹ دھرمی کے راستے پر اڑا نہ رہے۔عمومی طور پر مناظروں میں جھگڑا اور غیر شائستہ گفتگو عام ہوتی ہے،اس طرح کے طرز عمل سے دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔اس سے مخاطب کے اندر قبول حق کے بجائے شدت وہٹ دھرمی کی روش پیدا ہوجاتی ہے۔

موجودہ عہد میں سائنس کی ترقی نے زمین کی وسعتیں سمیٹ دی ہیں،دنیا کا کوئی بھی حصہ اب رسائی سے دور نہیں رہا۔اور ساری دنیا Globel Village بن گئی ہے،اس حیرت انگیز ترقی نے دعوت کے لیے بے حد وسیع پلیٹ فارم فراہم کر دیا ہے۔اس دور میں کرنے کا صرف ایک کام یہ ہے کہ ان دعوتی مواقع کو اسلام کے حق میں استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت مجادلہ ہی کی ایک صورت بین المذاہب مکالمہ Inter Faith Dialogue کی بھی ہوسکتی ہے۔ اگر حکمت کے ساتھ اسلام کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا جائے تو اس کے خوش گوار نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

داعی پر لازم ہے کہ وہ ہر ایک کی ہدایت کا حریص ہو، مخاطب کو راہ راست پر لانا اس کے پیش نظر ہو،وہ حکیمانہ انداز سے خلق خدا کی ہم دردی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لیے تبلیغ کرے لیکن پھر بھی اگر کوئی ہدایت نہیں پاتا ہے تو اس کے لیے جبر واکراہ یا تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں،اس لیے کہ یہ منصب دعوت کے شایان شان نہیں:

اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ (غاشیۃ:۲۱،۲۲)

اور مایوس بھی نہ ہو اس لیے کہ ہادی حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے۔ہم کوشش کے مکلف ہیں،ہدایت کے نہیں۔

دعوت وتبلیغ کے حوالے سے یہ آیت نہایت اہم ہے۔اور بہت سارے ان سوالات کا جواب بھی اس میں موجود ہے جو آئے دن اٹھتے رہتے ہیں۔اول تو یہی ہوتا ہے کہ ہم دعوت میں تحویل قبلہ کر دیتے ہیں اور اسلام کی بجائے دوسرے رخ پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔اگر مقصد درست بھی ہو تو حکمت وموعظت سے بے بہرہ ہوجاتے ہیں اور کبھی تو کج بحثی کی بھی نوبت آجاتی ہے۔اور سب کچھ ٹھیک رہا تو اپنی ہدایت اور دوسروں کی ضلالت کے بارے حرف آخر صادر کر دینا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس طرز عمل کی بھی یہ کہہ کر پرزور تردید کی ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون ضلالت پر اس کا قطعی علم صرف اللہ کو ہے اور اگر بحث کرنے والا حق پر ہے تب بھی اس کو اس غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہمیشہ ہدایت پر ہی قائم رہے گا اور اس کا مدمقابل ہمیشہ گمرہی پر، بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس کا مخالف دولت ایمان پا جائے اور وہ گمرہی کی وادیوں میں بھٹک جائے لہٰذا ہر وقت انسان کو پوری عاجزی کے اظہار کے ساتھ توفیق ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہیے اور کسی قسم کے غرور میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اندر جذبۂ دعوت وتبلیغ پیدا فرمائے اور دعوت کے حکیمانہ تقاضوں کو برتنے کی توفیق بخشے۔(آمین)

***

امام الدین سعیدی

قرآن کی اخلاقی تعلیمات

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (حجرات ۱۱)

اے ایمان والو! تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ ممکن ہے وہ تم سے بہتر ہو اسی طرح عورتیں دوسری عورتوں کو مذاق کا نشانہ نہ بنائیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں الزام تراشی کرو، نہ ایک دوسرے کو برے نام سے پکارو۔ کسی کو ایمان لانے کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے اور جس نے توبہ نہیں کی وہی لوگ ظالم ہیں۔

مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو چند ایسے اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے جو بہت سی برائیوں کا سبب بن جاتی ہیں اور باہمی محبت واخوت کی فضا کو خراب کر کے نفرت وعداوت کے ماحول میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ اس آیت مقدسہ میں وہ پاکیزہ تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ بنایا جا سکتا ہے جس میں ایک دوسرے کا احترام اور باہمی الفت ومحبت کا لحاظ ہو۔

آیت کی بنیادی تعلیمات یہ ہیں۔

دوسرے کو حقیر سمجھنا اور اس کا مذاق اڑانا

کسی کو حقیر خیال کرنا اور اپنے کو اس سے اعلیٰ و افضل سمجھنا بہر حال خود پسندی وغرور ہے جو ایک مہلک مرض ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ (شعب الایمان ۲/ ۲۰۴)

ترجمہ: تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے وہ بخالت جس کی اطاعت کی جائے اور خود پسندی۔

عام طور سے معاشرہ میں دیکھا جاتا ہے کہ مالدار شخص محتاج و نادار طبقہ کو، طاقتور کمزور کو، علم وذہانت والا بے علم اور کم عقل کو، اعلیٰ نسب والے دوسری برادری والے کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اس طرح اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچا کر اس کی دل آزاری کرتے ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر گناہ عظیم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ قرآن ایسی تمام برتری اور فضیلت کو مردود قرار دیتا ہے جو کسی انسان کی توہین اور دل آزاری کا سبب بنے اور ایک ایسا پیمانہ عطا کرتا ہے جس میں احترام انسانیت اور کسی کی عزت نفس کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے خواہ وہ کسی بھی طبقہ کا ہو، کسی بھی نسل کا ہو، کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی حکمت وعلت بیان کرتے ہوئے قرآن نے یہ توجیہ پیش کی کہ ہوسکتا ہے وہ شخص جسے تم کسی عیب یا کمی کی وجہ سے حقیر خیال کرتے ہو وہ اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ بہتر ہو کیونکہ عنداللہ کون کس درجہ کا ہے یہ صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، ہمیں اس بارے میں یقینی طور پر کچھ علم نہیں۔ دلوں کے احوال اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ تو ہوسکتا

ہے کہ ہمارے اور آپ کے پیمانے سے وہ بے وقعت ہو مگر کیا خبر کہ وہی شخص اللہ کے نزدیک معزز و محبوب ہو؟

اس مرض کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ہم کسی کو برائی میں ملوث دیکھتے ہیں تو اس بنا پر اس کو ذلیل و حقیر سمجھنے میں بہت جلد بازی کر جاتے ہیں حالاں کہ عین ممکن ہے کہ وہی شخص اسی لمحہ تائب ہو کر اللہ کا مقرب بندہ بن گیا ہو اور اللہ کے نزدیک آپ سے افضل ہو گیا ہو۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ جب حضرت ماعز کو حد زنا میں سنگ سار کیا گیا تو دو شخص آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ بھلا اس شخص کو دیکھو اللہ نے اس کے جرم کو چھپا دیا تھا مگر خود اس نے اپنے آپ کو پھنسا لیا اور کتے کی طرح سنگسار کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی اس کے بعد آپ ایک مردار گدھے کے پاس سے گذرے اور فرمایا:

أَيْنَ فُلاَنٌ وَ فُلاَنٌ. فَقَالاَ نَحْنُ ذَانِ يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ انْزِلاَ فَكُلاَ مِنْ جِيفَةِ هَذَا الْحِمَارِ. فَقَالاَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هَذَا، قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ أَخِيكُمَا آنِفًا أَشَدُّ مِنْ أَكْلٍ مِنْهُ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْقَمِسُ فِيهَا۔

(ابوداؤد، باب ماعز بن مالک، جلد ۴)

ترجمہ: فلاں فلاں کہاں ہیں، یہاں حاضر ہوں اور اس مردار گدھے کا گوشت کھائیں۔ ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے کیسے کھایا جا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تم دونوں نے جو ابھی اپنے بھائی کی عزت و حرمت پامال کی ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ بدتر ہے۔ قسم ہے رب العزت کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ماعز اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

عیب چینی

لمز کا معنی لغت میں عیب زنی کرنا، کسی کے اندر حقیقت میں وہ عیب ہو یا نہ ہو اس کی موجودگی میں اسے بیان کرنے کو لمز کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کسی بھی باہوش انسان کو یہ بات ناگوار گذرتی ہے کہ کوئی سر عام اس کے عیوب و نقائص بیان کرے یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے اس سے بغض و عناد جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں جو اکرام و احترام اور بھائی چارگی جیسے نیک جذبات کو ختم کر دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنِ امْرِءٍ يَخْذُلُ امْرَأً مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ تُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلاَّ خَذَلَهُ اللهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ

(سنن ابوداود، کتاب الادب، باب من ردعن مسلم غیبۃ)

ترجمہ: جو بھی کسی مسلمان کو ایسی جگہ رسوا کرتا ہے جہاں اس کی عزت و حرمت کی پامالی ہو تو اللہ اس کو ایسی جگہ رسوا کرتا ہے جہاں وہ اس کی مدد کا طالب ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلاَ تَجَسَّسُوا، وَلاَ تَحَسَّسُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا إِخْوَانًا

(بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبۃ أخیہ)

ترجمہ: بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، کسی کے ٹوہ میں مت لگو، عیب جوئی مت کرو، آپس میں بغض و حسد مت رکھو، سب کے سب بھائی بھائی بن جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمُشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ، وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ۔ (ابوداود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ)

ترجمہ: جب میں سفر معراج میں تھا تو میرا گذر ایک ایسی

قوم کے پاس سے ہوا جن کے انگلیوں میں تانبہ کا ناخن تھا وہ اس سے اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھاتے تھے (غیبت کیا کرتے تھے) اور ان کی بے عزتی کرتے تھے۔

برے نام والقاب سے پکارنا۔

نبز کا مطلب ہے کسی ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناپسند اور ناگوار لگے یا اس سے اس کی حقارت اور چھوٹا پن ظاہر ہو۔ عام طور سے یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ لوگ اس کا لحاظ نہیں رکھتے اور ایک دوسرے کو ان کے اچھے القاب اور خوبصورت ناموں کے بجائے برے ناموں سے پکارتے رہتے ہیں جو ان کو سخت ناگوار لگتا ہے اور یہ چیزیں دل شکنی کا بھی سبب بنتی ہیں۔ اس موقع پر انسان کو وہی روش اختیار کرنی چاہیے جو اسلامی و قرآنی طرز زندگی کا تقاضا ہے۔ وہ شخص خود اپنے بارے میں پہلے سوچے کہ اسے اگر کوئی ایسے بھدے ناموں سے بلائے تو اس کو کیسا لگے گا؟ ظاہر ہے اس کا بھی رد عمل وہی ہوگا جو دوسروں کا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ
(بخاری، کتاب الایمان)

کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اپنے بھائی کے لیے اس بات کو برا جانو جو اپنے لیے برا سمجھتے ہو، مزید یہ کہ ایک مسلم کی تعظیم واجب ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْرِمُوا أَخَاكُمْ (مسند احمد، از عائشہ)

اپنے بھائی (مومن بھائی) کی تعظیم کرو۔

مذکورہ اخلاقی و سماجی خرابیاں معاشرہ میں عام ہیں جن سے نفرت وعداوت، بغض وحسد جیسے خبیث امراض جنم لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ آپسی چپقلش جنگ وجدال کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو کسی بھی معاشرہ کے لیے ناسور ہے۔ ہم قرآن مقدس کی ربانی تعلیمات کے ذریعہ ان موذی بیماریوں سے خود بھی محفوظ رہیں اور سب کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، اس لیے کہ سارے اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
(حجرات ۱۰)

ترجمہ: سارے مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔

حدیث میں ہے:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى (مسلم، کتاب البر)

ترجمہ: آپسی محبت و ہمدردی اور نرمی وصلہ رحمی میں مومن کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جیسے جب جسم کا کوئی حصہ تکلیف میں ہوتا ہے تو باقی سارے اعضا درد اور بخار سے کراہ اٹھتے ہیں۔

اخوت ومحبت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر قسم کی اونچ نیچ اور بھید بھاؤ سے اوپر اٹھ کر ایک پرامن معاشرہ تشکیل دینے کی نیک کوشش کریں جس میں بے انتہا محبت وخیر خواہی کا مبارک ماحول ہو، آپسی ہمدردی اور دلجوئی ہو، ایک دوسرے کا احترام واکرام ملحوظ ہو اور جو معاشرہ کسی کی اہانت اور دل آزاری سے پاک ہو۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں ان اصولوں کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کی توفیق بخشے۔

اشتیاق عالم مصباحی

علم کا مقصود قلب کی پاکی ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(بقرہ:۲۸۲)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو، وہی تمہیں علم وحکمت سکھاتا ہے، اللہ ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

(انفال:۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تو تمہیں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کا شعور عطا فرما دے گا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

(شعب الایمان ۲/ ۲۵۳)

ترجمہ: ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (سنن الترمذی ۵/ ۴۸)

ترجمہ: علما انبیا کے وارث ہیں۔

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (شعب الایمان ۳/ ۲۲۷)

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے انبیا شفاعت کریں گے، پھر علما، پھر شہدا۔

مدارس اسلامیہ کی بنیاد کے مقاصد، دین کے فروغ و اشاعت کے لیے مبلغ اور اللہ کی طرف بلانے والے افراد پیدا کرنا ہے۔ دین کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کرنا اور اپنے اور مخلوق کے اندر اصلاح وتبدیلی لانا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مقاصد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن آج کا المیہ ہے کہ عوام ہو یا خواص سبھی کے ذہن میں یہ بات سما گئی ہے کہ جس طرح دنیاوی علوم کے لیے اسکول، کالجز، یونیورسٹیاں کھلی ہوئی ہیں یوں ہی دینی تعلیم کے لیے بھی مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔ مقاصد کے حصول کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ اہل مدرسہ اپنے یہاں داخلہ لیتے ہیں اور نہ طلبہ ہی اس جانب توجہ دیتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

ایسے میں ہمیں اس طرف دھیان دینا ضروری ہے کہ ہم دین کے صرف رسمی علوم سیکھنے سکھانے جا رہے ہیں یا واقعی دینی مقاصد کے حصول کے لیے مدارس کا رخ کر رہے ہیں، اب ظاہر ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے تمام علوم کا حصول فرض عین نہیں بلکہ کچھ فرض عین ہیں تو کچھ فرض کفایہ مثلاً ایک بچہ جو عاقل و بالغ ہو اس پر نماز کا جاننا فرض عین ہے اور مالک نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا اس کے لیے فرض کفایہ ہے۔ لفظ علم دین جب بھی بولا جاتا ہے تو عام طور سے لوگ اس سے صرف حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و بدعت، مکروہ ومباح کا علم سمجھتے ہیں جب کہ دین کا یہ صرف ایک پہلو ہے کیوں کہ دین کا اطلاق حدیث جبریل کی روشنی میں تین چیزوں پر ہوتا ہے جن کے بغیر دین کامل نہیں ہوتا وہ تینوں اجزا؛ ایمان، اسلام اور احسان ہیں اس اعتبار سے ہم علم کو تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

(۱)علم الایمان (۲)علم الاسلام (۳)علم الاحسان۔

علم الایمان:

علم الایمان سے مراد اللہ کی ذات وصفات کا علم ہے کہ اللہ بے مثل و بے مثال ہے، اس کے لیے فنا نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا قیامت کے دن کا مالک ہے، وہ اپنے تمام صفات کے ساتھ موجود ہے، اس کی کوئی بھی صفت بے کار نہیں، اسی طرح ملائکہ، آسمانی کتابیں، جملہ رسولان عظام اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا علم، علم الایمان ہے۔

علم الاسلام:

حلال وحرام، جائز وناجائز، مکروہ وسنت وغیرہ کا علم، علم الاسلام کہلاتا ہے۔

علم الاحسان:

علم الاحسان یہ ہے کہ بندہ بندگی کے ظاہری آداب کے ساتھ اس کے باطنی آداب کی بھی معرفت حاصل کرے، بندگی کا طریقہ جانے اپنے معبود حقیقی کی رضا حاصل کرنے کا سلیقہ سیکھے اور اللہ ہی کے لیے زندگی کیسے گزاری جائے اس کا ڈھنگ سیکھے اور اس فن کا علم صرف اور صرف اللہ رب العزت کے وہ مخصوص بندے رکھتے ہیں جو اللہ کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے رہتے ہیں ۔ ایسے ہی عالم باللہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَوْتُ قَبِيلَةٍ أَيْسَرُ مِنْ مَوْتِ عَالِمٍ

(شعب الایمان، ج:۳ص:۲۲۴)

یعنی ایک عالم کی موت کا نقصان ایک قبیلے کی موت سے زیادہ ہے۔

علم الاحسان کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس علم کا حصول کسی صاحب دل صوفی اور عالم ربانی کی ہی صحبت میں ہوسکتا ہے جن کی صحبت میں نفس وشیطان کی فریب کاریوں سے آگہی، اللہ سے ڈر اور خوف کی حالت پیدا ہوتی ہے، اس علم کے سلسلے میں قرآن حکیم سے ہمیں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ لوگ جن کے دل ایمان وتقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی سے پر ہو جاتے ہیں ایسے بندوں پر ان علوم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ علم ان کے لیے ایک ایسی روشنی کا کام کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے میں کسی بھی لمحہ غافل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

(الانفال ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو اللہ تمہیں ایسا نور عطا فرمائے گا جو حق وباطل کے درمیان فرق کردے۔

فرقان سے مراد وہ 'علم' ہے جو حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کردے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(البقرہ:۲۸۲)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو، وہی تمہیں علم وحکمت سکھاتا ہے، اللہ ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سب سے بہتر علم، اللہ اور اللہ کے حکم کی معرفت ہے۔ جب بندہ اللہ اور اللہ کے حکم کا عالم ہوتا ہے تو وہ مقصود کو پالیتا ہے اور اس علم سے بہتر نعمت بندے تک نہیں پہنچتی اور اللہ اور اس کے حکم کی لاعلمی سے زیادہ کوئی عقوبت بندے کو حاصل نہیں ہوتی۔

(ماخوذ: احیاء علوم الدین، عربی)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُنْصِتًا أَوْ مُحِبًّا. وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ فَتَهْلَكَ (معجم اوسط طبرانی، ۵/ ۲۳۱)

عالم باللہ بنو یا عالم باللہ کی جستجو کرنے والا یا عالم باللہ کی مجلس میں بیٹھ کر خوب غور سے ان کی باتیں سننے والا یا ان سے محبت کرنے والا بنو۔ اور سنو ان کے علاوہ پانچواں (ان سے بغض وحسد رکھنے والا) نہ بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔

ان آیات اور احادیث و آثار سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دینی تعلیم کا مقصد اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہوگا جب بندہ تقویٰ اختیار کرے گا، بغیر تقویٰ کے یہ علم حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ

(معجم کبیر طبرانی، ۴/ ۴۹۴)

جس گھر میں نجاست ہو اس گھر میں فرشتے نہیں آتے۔

تو بھلا اس شخص کا دل علم الٰہی کے نور سے کیوں کر منور ہوگا جس کا دل نجاستوں سے خالی نہیں ہے۔

پھر جس شخص کو معرفت الٰہی حاصل ہوجائے اس کا دل غیر اللہ کے وجود سے پاک ہوگا کیوں کہ اللہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، معلوم ہوا کہ تقویٰ اور معرفت باللہ، لازم وملزوم ہے جو کبھی بھی ایک دسرے سے جدا نہیں ہوتے جس شخص پر اس علم کا فیضان ہوتا ہے درحقیقت وراثت نبوی کا تاج اسی کے سر جاتا ہے۔ آج حال یہ ہے کہ چند کتابیں پڑھ کر خود کو عالم دین سمجھا جارہا ہے، یقین جانیے کہ چند اسلامی قوانین کا جاننے والا حقیقت میں عالم دین کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ دین کے تینوں اجزا یعنی ایمان، اسلام اور احسان سے واقف اور عامل نہ ہو یہی وجہ ہے کہ گذشتہ زمانے کا جائزہ لینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں خانقاہیں ہوا کرتی تھیں وہاں مدارس بھی ہوا کرتے تھے تاکہ طالبان علوم نبویہ جہاں اسلامی قوانین میں بصیرت رکھیں وہیں ایمان اور احسان سے بھی انہیں واقفیت ہو اور پوچھا جاتا تھا کہ دین کس کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا، یہ نہیں پوچھا جاتا تھا کہ دین کس مدرسہ میں حاصل کیا ہمارے شیخ ادام اللہ ظلہ علینا فرماتے ہیں کہ: آج حنفی بہت ہیں لیکن نعمانی بہت کم نظر آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علینا نے علوم اسلامیہ میں دسترس حاصل کرنے کے بعد دو سال حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہ کر ایمان واحسان کی تعلیم حاصل کی اسی طرح ہر حنفی کو چاہیے کہ کسی صادق کی صحبت میں اپنے آپ کو ڈال دے اور ان سے ایمان واحسان کی باتیں سیکھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الْإِيمَانُ عُرْيَانٌ, وَلِبَاسُهُ التَّقْوَى, وَمَالُهُ الْفِقْهُ, وَزِينَتُهُ الْحَيَاءُ (مصنف ابن ابوشیبۃ)

ایمان خالی جسم ہے جس کا لباس تقویٰ، جس کی زیب و زینت حیا اور جس کا پھل معرفت الٰہی ہے۔

اسی لیے ہم طالبان علوم نبویہ کو چاہیے کہ رسمی وراثت کے بجائے حقیقی وراثت نبوی کا مستحق بننے کی کوشش کریں۔

ابرار رضا مصباحی

فقہی مسائل میں علمائے دین کے رویے

علوم دینیہ میں علم فقہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انفرادی واجتماعی اور مذہبی ومعاشرتی مسائل ومعاملات پر اس کا بڑا گہرا اثر ہے،انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اس کی ضرورت ہے۔ احکام شرع کی پابندی انسان کو بہت سی خطاؤں سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اسے معبود حقیقی سے قریب کرتی ہے اوراس کی برکت سے اسے ایسی کامیابی نصیب ہوتی ہے کہ جس کا اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

آغاز اسلام ہی سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ اگر کسی کو کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو وہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرتا ہے جو قرآن وحدیث کے علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ لائق اعتبار واعتماد بھی ہو۔گویا یہ لوگ قرآن کی آیت کریمہ: فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۂ انبیاء:۷) کے عملی نمونے اور مصداق ٹھہرتے ہیں۔

مذکورہ آیت مبارکہ عام ہے،خواہ عالم ہو یا جاہل سب کو دینی مسائل کی معلومات کے لیے اپنے سے زیادہ علم وفہم والے کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں پوچھنے کا حکم صرف جاہل عوام کے لیے ہے کہ اگر انھیں مسئلے معلوم نہ ہوں تو وہ علما سے معلوم کریں،جب کہ آیت کریمہ مفتی ہو یا مستفتی سب کے لیے عام اور مطلق ہے،اس لیے اگر کسی کو مسائل کی نزاکت وباریکی معلوم نہ ہو تو وہ بلا کسی جھجھک کے کسی معتبر ومستند صاحب علم وفقہ کی طرف رجوع کرلے،لیکن بعض حضرات اپنے سے برتر و بہتر کی جانب رجوع کرنا اپنے لیے معیوب سمجھتے ہیں۔اس غیر اسلامی طرز فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے اور صحیح مسائل کی رہنمائی کے لیے ایک دوسرے سے رابطہ کرکے دینی امور کو حل کرنے کی حاجت ہے۔تاکہ عوام کسی انتشار میں مبتلا ہو کر اپنے رہنما سے اعتماد نہ کھو بیٹھیں۔

فقہ کی بنیاد دینی ضروریات اور تقاضے کے تناظر ہی میں پڑی ہے اور اس کے لیے اجتہاد وتحقیق اصل آلہ ہے۔لیکن دور حاضر میں بعض حضرات جن کے اندر علمی صلاحیت کا فقدان یا اجتہاد وتحقیق سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے،وہ بلا تامل مسند افتا پہ متمکن ہو کر فقہ وفتاویٰ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور ایسے احکام صادر کر رہے ہیں جنھیں عوام الناس غیر فطری کہہ کر مسترد کردے رہے ہیں جس سے بلاشبہ مفتی،فتویٰ اور مسند افتا کا وقار مجروح ہو رہا ہے۔

فقہ اسلامی کی بنیاد عہد رسالت میں پڑ چکی تھی چنانچہ شرعی احکام ومسائل کی رہنمائی کے لیے شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات جلوہ افروز تھی،جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے،جس کی سیکڑوں مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

اجتہاد کی بنیاد عہد رسالت ہی میں صحابی رسول حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے پڑ چکی تھی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسرت وشادمانی کا

اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا تھا اور یہ فرمایا تھا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد الرأی فی القضاء)

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قاصد کو مسائل حل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

لیکن حالات حاضرہ پہ نظر ڈالی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب مسائل کے معاملے میں تحقیق واجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے یا یہ شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جب کہ ہر فقیہ کو بلا چون و چرا اپنی فقہی رائے اور علمی تحقیق پیش کرنے کا مکمل حق حاصل ہوتا ہے۔ ارباب علم وفہم ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں کہ ان کی تحقیق یا رائے دینی اعتقادات اور اسلامی تعلیمات کے مخالف ہے یا موافق، اگر موافق ہو تو باہمی مشورے سے اسے قبول کر لینا چاہیے لیکن آج ایسا نہیں ہوتا بلکہ محقق کو لوگ ہدف طعن وتنقید بناتے ہیں اور بسا اوقات اسے بے دین اور گمراہ قرار دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔

جب کہ حدیث رسول کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی ایسی سمجھ اور بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ حالات اور تقاضے کے اعتبار سے اپنی علمی و فقہی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسائل کا صحیح حل پیش کرتا ہے اور پیچیدہ امور کی گتھیوں کو بحسن وخوبی سلجھا دیتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کو بغیر کسی علمی بحث اور باہمی مفاہمت کے اس کی باتوں کو محض یہ کہہ کر پرمسترد کر دیا جاتا ہے کہ جو فیصلہ سو سال قبل دیا جا چکا ہے اس سے سرمو انحراف کرنا گمراہی اور بے دینی ہے، جو انتہائی افسوس ناک امر ہے، جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محقق و مجتہد کے اجتہاد و تحقیق کی تحسین فرمائی اور اس پر حمد الٰہی بجالائے، اگر تحقیق و اجتہاد معیوب ہوتا تو فقہ کے چاروں امام کا وجود بھی نہ ہوتا اور مسائل میں ان کے اختلافات کے سبب ان میں سے ایک کو حق اور دوسرے کو باطل سمجھا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

عصر حاضر میں فقہی اختلافات اور زندگی کی پیچیدگیوں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اہم کام تنہا کسی ایک فن کے ماہرین کے ذریعے انجام نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی ایک ٹیم ہو، جن میں محدث بھی ہوں، مفسر بھی ہوں، فقیہ بھی ہوں، متکلم بھی ہوں، صوفی بھی ہوں، محقق بھی ہوں اور مدبر بھی ہوں نیز تاریخ، سائنس، معاشیات، سماجیات کے بھی ماہرین ہوں جو اپنی اجتماعی وتحقیقی کوششوں سے مسئلے کا کوئی واضح حل اور مثبت فیصلہ نکالیں تاکہ اس کی وجہ سے اختلافات کم ہونے کے ساتھ ساتھ قوم مسلم کی صحیح رہنمائی ہو اور ان میں امن وچین کی فضا بھی قائم رہے۔

آیت کریمہ ہے: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (سورۂ توبہ: ۱۲۲)

یعنی ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے نکلے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ بچیں۔

لہٰذا فقہ جو اپنے اندر بڑا وسیع اور ہمہ گیر مفہوم رکھتا ہے اور دنیا و آخرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی جامعیت کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو جاتا ہے کہ فقہ کی صحیح افہام وتفہیم کے لیے ہر میدان علم وعمل کے ماہرین سے تعاون اور تفاہم لازم ہے۔

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کی دو فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكية

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

● حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

اس متن تصوف کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلو پیڈیا اور سالکین وطالبین

کے لیے دستور العمل ہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب نے اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مکمل کرلیا ہے

جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق وتخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

رفعت رضا نوری

سخت دل اور نرم دل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو اپنی یاد کے لیے بنایا ہے۔ اللہ ایک ہے اس لیے اس نے دل بھی ایک ہی بنایا ہے تا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی محبت اس میں سما نہ سکے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ

(الاحزاب: ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دو دل نہیں بنائے ہیں۔

اللہ نے جگہ جگہ انسان کے دلوں کی سختی اور نرمی کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں یہودیوں کے حق میں ایک آیت نازل ہوئی جس کے ماسبق کا مفہوم یہ ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص نشانیوں اور آپ کے کمالات سے واقف تھے، ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق کھلی ہوئی شہادت ملتی تھی مگر پھر بھی وہ حرص، حسد اور انانیت میں ایسے چور تھے کہ چند سکوں کے عوض آپ کے اوصاف کو چھپا دیتے تھے تا کہ لوگ آپ کے ہمنوا نہ بن جائیں، اللہ نے ان کے دلوں کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ: ۷۴)

ترجمہ: اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی ان (یہودیوں) کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ، کیوں کہ بعض پتھر تو ایسے ہیں جن سے نہریں بہہ نکلتی ہیں، کچھ ایسے ہیں کہ ان کے پھٹنے سے پانی نکلنے لگتا ہے، کچھ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور تم جو کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

اس آیت میں پتھروں کی مثال کے ذریعہ اللہ نے چار طرح کے دلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بنیادی طور پر پتھر دو طرح کے ہوتے ہیں سخت اور نرم اور پھر نرم پتھروں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) اتنے زیادہ نرم کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں مثلاً ہمالیہ کے گلیشیرز جن سے نہ جانے کتنی ندیاں جاری ہیں۔

(۲) ایسے پتھر جن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔

(۳) ایسے پتھر جو اوپر سے نیچے گر جاتے ہیں۔ نرم پتھروں سے ندیاں جاری ہونے، چشمے پھوٹنے اور نیچے گرنے کی وجہ اللہ نے اپنی یاد، خوف اور خشیت قرار دیا ہے۔ یہاں سے صاف اشارہ ملتا ہے کہ دل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں سخت اور نرم۔ اللہ نے کائنات کی نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت کے ذریعے سخت دلوں کو اپنی طرف بلایا ہے تا کہ وہ اللہ کو یاد کریں، اس کے ذکر سے ان کے دل نرم و گداز ہوں۔

نرم دلوں کو اس آیت کے تناظر میں تین گروپ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، پہلا ان لوگوں کے دل جو یاد الٰہی سے معمور اور خشیت الٰہی کی وجہ سے حد درجہ نرم و نازک ہوتے ہیں، ایسے اہل دل انبیا اور اول درجے کے نائبین انبیا ہیں جن

سے ارشاد و ہدایت اور معرفت الٰہی کی نہریں جاری ہوتی ہیں جن کا فیضان تمام لوگوں کو بلکہ کائنات کی ہر چیز کو عام ہوتا ہے، ایسے صاف وشفاف سمندر میں نجس بھی آتا ہے تو پاک ہوجاتا ہے، جن سے مخلوق صدیوں تک فیض پاتی رہتی ہے اور جس طرح دریا پانی پلانے میں بخیلی نہیں کرتا اور تعصب نہیں برتتا یہی حال اس گروہ کا ہے کہ یہ حضرات بلا کسی تفریق کے سبھی کو سیراب کرتے ہیں۔ ایسے اہل دل نرم پتھروں کی پہلی قسم کی طرح ہیں۔ دوسرا ان عارفین باللہ کا دل ہے جو دوسرے طبقے کے ہیں جن کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد دلوں کو زندگی ملتی ہے، جن سے علم وحکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں، جن سے نامرادوں کی مرادیں بر آتی ہیں، اپنے اپنے ظرف اور طلب کے مطابق لوگ فیض پاتے ہیں۔لیکن ان کا فیض پہلے طبقے کے اہل دل سے کم ہوتا ہے۔ایسے افراد نرم پتھروں کی دوسری قسم کی طرح ہیں۔ پہلے اور دوسرے قسم کے اہل دل اپنے وقت کے امام ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا (الأنبیاء:۷۳)

ترجمہ: ہم نے ان کو رہنما بنایا ہے وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہماری راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

تیسرا گروہ ان بندوں پر مشتمل ہے کہ جن کے دل میں خشیت الٰہی سمائی رہتی ہے، جو اللہ کو ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں وہ اگرچہ فیض پہنچا نہیں سکتے مگر خود فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس گروہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے جو اللہ والوں کی صحبت میں صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں، اپنی تربیت واصلاح میں لگے رہتے ہیں اور اللہ سے ہمیشہ خوف کھاتے ہیں۔ان کے اندر اتنی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے کہ گویا وہ زمین بوس ہوتے ہیں، ان کے اندر کبر وغرور نام کی کوئی شئ نہیں ہوتی، ان کی مثال پتھروں کی ان تیسری قسم سے ہے جو خوف الٰہی سے نیچے گر جاتے ہیں یوں ہی اس گروہ کے دلوں کی زمین بھی مشائخ کی صحبت کے پانیوں سے نرم ہوتی رہتی ہے۔ اللہ نے اس طرح کے بندوں کے دلوں کی حالت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الانفال:۲)

ترجمہ: ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہوجاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ایک جگہ اللہ نے مزید فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللهِ ذَلِكَ هُدَى اللهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَّشَآءُ (زمر:۲۳)

(آیتیں بار بار سن کر جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں) ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے نرم ہوجاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس ہدایت سے نوازتا ہے۔

حدیث رسول میں چار طرح کے دلوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الْقُلُوبُ أَرْبَعَةٌ: قَلْبٌ أَجْرَدُ فِيهِ مِثْلُ السِّرَاجِ يَزْهَرُ، وَقَلْبٌ أَغْلَفُ مَرْبُوطٌ عَلَى غِلَافِهِ، وَقَلْبٌ مَنْكُوسٌ، وَقَلْبٌ مُصْفَحٌ۔ فَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَجْرَدُ: فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ سِرَاجُهُ فِيهِ نُورُهُ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَغْلَفُ: فَقَلْبُ الْكَافِرِ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمَنْكُوسُ: فَقَلْبُ الْمُنَافِقِ عَرَفَ، ثُمَّ أَنْكَرَ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمُصْفَحُ: فَقَلْبٌ فِيهِ إِيمَانٌ وَنِفَاقٌ، فَمَثَلُ الْإِيمَانِ فِيهِ كَمَثَلِ الْبَقْلَةِ يَمُدُّهَا الْمَاءُ الطَّيِّبُ، وَمَثَلُ النِّفَاقِ فِيهِ كَمَثَلِ الْقُرْحَةِ يَمُدُّهَا الْقَيْحُ وَالدَّمُ، فَأَيُّ الْمَدَّتَيْنِ غَلَبَتْ عَلَى الْأُخْرَى غَلَبَتْ عَلَيْهِ"

(مسند احمد، طبرانی)

ترجمہ: دل چار طرح کے ہوتے ہیں: ایک صاف ستھرا دل جو چراغ کی طرح روشن ہوتا ہے، دوسرا وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہو، تیسرا وہ دل جو اوندھا ہو اور چوتھا قلب مصفح۔ جہاں تک صاف ستھرے دل کا تعلق ہے تو یہ مومن کا دل ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن ہے، جس دل پر پردہ پڑا ہو کافر کا ہے، اوندھا دل منافق کا ہے جو معرفت کے بعد بھی منکر ہوتا ہے اور جہاں تک قلب مصفح کی بات ہے تو وہ ایسا دل ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں جمع ہے اور اس میں ایمان کی مثال اس سبزی کی طرح ہے جس کی نشوونما پاکیزہ پانی سے ہوتی ہے اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں خون اور پیپ بھرتا ہی جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں مادوں میں جو دوسرے پر غالب ہوگا قلب پر وہی کیفیت غالب ہوگی۔

اس حدیث میں جن چار طرح کے دلوں کا ذکر ہے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ قلب اجرد (ستھرا دل): یہ خالص ایمان والوں کا دل ہے جس میں ایمان کی روشنی، ایمان کی چاشنی حاصل ہو، اب ایمان میں جس قدر جلا پیدا ہوگی اسی قدر مومن کا دل منور ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر اعمال کی کثرت کی وجہ سے فضیلت والے نہ تھے بلکہ ایمان کی قوت کی بنا پر وہ افضل تھے۔

۲۔ قلب اغلف (بند دل): یہ کافروں کا دل ہے جس میں حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ۔ (البقرۃ، ۸۸)

(نصاریٰ نے کہا ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کو ملعون بنا دیا)

چنانچہ ان میں کچھ لوگ ہی ایمان لائیں گے۔

۳۔ قلب منکوس (اوندھا دل): یہ منافقوں کا دل ہے جس میں کفر چھپا ہوا ہے اور اسلام کا دکھاوا ہے۔ حدیث پاک میں ایسے دل والوں کی چند علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایسے لوگ جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، لڑائی کے وقت فحش گوئی کرتے ہیں اور معاہدے توڑ کر دھوکہ دیتے ہیں۔

۴۔ قلب مصفح (گناہوں سے آلودہ دل): یہ گناہ گار مومنوں کا دل ہے جس میں ایمان و نفاق اور خیر و شر دونوں جمع ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ، ۱۰۲)

ترجمہ: کچھ بندے ایسے ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ جنھوں نے اعمال صالحہ میں برے اعمال ملا رکھے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بندوں کی توبہ قبول فرما لے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

دلوں کے احوال

مذکورہ بالا گفتگو سے مختلف قسم کے دلوں کے احوال اور ان کی صفتیں بھی ظاہر ہو گئیں، چنانچہ مومنین کاملین کے دل دنیا سے الگ ،آخرت کی طرف مائل اور موت سے پہلے موت کی تیاری کرنے کی فکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ کافروں کے دلوں میں سختی ہوتی ہے ،ان میں ایمان سے نفرت، اعمال صالحہ سے دوری اور حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، جب کہ منافقوں کے دل ایمان کی روشنی سے خالی ہوتے ہیں، انہیں شرح صدر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کے بعد ان کو کوئی انعام حاصل ہو گیا تو ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت آ گئی تو ان کے قلب ایمان سے پلٹ جاتے ہیں۔ گناہ گار مومنوں کے دل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان تو ہوتا ہے لیکن نور ایمان حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ گناہوں سے دور رہ کر اعمال صالحہ کریں۔ بلکہ جب ایمان کی لو تیز ہوتی ہے تو اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اگر مدھم ہوتی ہے تو گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

مریض دلوں کا علاج

جن دلوں میں کسی بھی قسم کی بیماری ہو ان کی اصلاح اور ان کا علاج پانچ دواؤں کے ذریعے سے ممکن ہے۔

۱۔ دلوں میں ایمان کو جمایا جائے، اس طرح سے کہ اپنے آپ کو گناہوں کے ماحول سے نکال کر ایمان کی فضا میں لے جایا جائے، ایسی سازگار روحانی فضا سے ہمارا قلب صحت مند ہو جائے گا۔

۲۔ کثرت کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اس کے حبیب کی سنت کے مطابق نیک کام کیے جائیں۔

۳۔ کثرت سے اپنے رب کی بارگاہ میں ایمان وتقوی پر ثابت قدم رہنے کی دعا کی جائے۔

۴۔ چونکہ ہم سب انسان ہیں اور انسان کی فطرت میں خطا ہے اس لیے جب بھی کوئی غلطی ہو جائے تو اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کے ذریعے واپس لوٹ آیا جائے۔

۵۔ زیادہ سے زیادہ اللہ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی جائے؛ اس لیے کہ انسان اپنے دوست کے دین پر قائم ہوتا۔ جب ہم صالحین کی صحبت میں ہوں گے تو ہمارے دلوں کی بیماریاں ختم ہوں گی اور ہماری روح کو تازگی اور قوت ملے گی۔

***

السعی منا والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کا تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار، مین روڈ دھاراوی ممبئی-17

موبائل: 09819291874

آپ کے SMS

السلام علیکم، چند ماہ سے ماہنامہ خضر راہ سے ملاقات ہو رہی ہے۔ ہمارا دل بول رہا ہے ماہنامہ ہذا دل کی دنیا بدلنے کے لیے کافی ہے۔ ویسے تو سارے مضامین کے اندر جامعیت ہے۔لیکن ''عرفانی مجلس'' احب المضامین ہے۔

اشرف رضا فیضی۔ دربھنگہ

السلام علیکم! خضر راہ میں نے پہلی بار پڑھا۔ واقعی بہت ہی شاندار رسالہ ہے۔ موجودہ حالات کے حساب سے لوگوں کو سمجھانے کا طریقہ بہت اچھا ہے۔ لیکن زبان اردو تھوڑی ہارڈ ہے۔ آپ آسان زبان اپنائیں تاکہ جو اردو زبان کو صحیح طرح سے نہیں جانتا ہو وہ بھی پڑھ لے۔

علی احمد، ضلع سہارن پور، یوپی

زکات صدقہ، فطرہ کے سبھی پہلوؤں کو بہت بہترین طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ خضر راہ اسی طرح دین کی سنت بھری باتیں بتا کر ہمارے لیے دین پر چلنا آسان کر دے۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ کتاب کی قیمت کم سے کم پچاس روپے کی جائے۔

رشید احمد، فیض کالونی، باندہ، یوپی

ماہنامہ کی زبان اور آسان کی جائے جسے ہم آسانی سے سمجھ لیں۔ **محمد صفی اللہ، آرہ، بہار**

جولائی کا خضر راہ ہاتھ میں ہے۔ جب تک پورا پڑھ نہ لوں اطمینان نہیں ملتا۔

ایم۔ ایس رضوی، دارالعلوم برکات رضا۔ مہاراشٹر

ماہنامہ خضر راہ جولائی، فیضان عزیزی صاحب نے زکات کے مقاصد لکھے بہت پسند آیا۔ **انور احمد یار علوی، دادر، ممبئ۔**

السلام علیکم! رمضان ۲۰۱۳ء کا شمارہ موصول ہوا خاص کر ''زکات کن کو دیں'' مضمون بہتر لگا۔ اللہ ماہنامہ خضر راہ کی شہرت اوج ثریا تک پہنچائے۔

حافظ محمد صاحب رضا خان، سکریٹری ترقی اردو، چھپرہ

خضر راہ کا اگست شمارہ بے حد پسند آیا۔ کیریئر گائڈنس کے ٹاپک پر جو مضمون ہے، وہ قابل تعریف ہے۔ التجا ہے کہ ایسے مضمون آنے والے شمارے میں بھی شامل ہوں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ شادی سے جڑے مسائل جہیز، مہر، بارات اور باراتیوں کا لڑکی کے گھر کھانا۔ ان باتوں پہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مضامین شائع کریں۔ **فضا صدیق**

السلام علیکم! خضر راہ اسلام کی سیدھی راہ پہ چلانے والا ایک انمول خزانہ ہے۔ اس کے سارے مضمون بے حد اچھے ہوتے ہیں۔ ''عرفانی مجلس'' خضر راہ کا دل ہے۔ یہ بے حد پسند ہے۔

مبین بیگ نوری، پرتاپ گڑھ، یوپی

قرآن شریف حفظ کرتا ہوں۔ اردو لکھنے پڑھنے کے لیے ماہنامہ خضر راہ مطالعہ کرتا ہوں۔ یہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے کیوں کہ اس سے قرآن کا معنی اور مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے۔

اگست والے میں کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ مثلاً فہرست میں ضیائے حدیث میں اصغر عالم مصباحی لکھا ہے جب کہ صفحہ نمبر ۱۰ پر ضیائے حدیث کے تحت اصغر علی مصباحی ہے۔ اصغر عالم مصباحی اور اصغر علی مصباحی دونوں دو ہیں یا ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۰ پر مجیب الرحمن علیمی لکھا ہے، مجیب الرحمن سنا اور پڑھا تھا مجیب الرحمن پہلی بار دیکھا ہے۔ صفحہ نمبر ۶۱ پر دانگ کا معنی ایک پیمانہ، ایک گرام سے کم، درم کا چوتھائی حصہ ہے۔ اردو کی ایک کتاب میں روٹی کا ''چوتھائی حصہ'' پڑھا تھا۔ یہاں درم کا چوتھائی حصہ ہے۔ صحیح کیا ہے؟ اگلی بار ضرور بتائیں۔ اللہ آپ سب کو ترقی دے۔

ہبیرہ محمدی۔ داراپٹی، مظفر پور، بہار

آپ جو ریفرینس دیتے ہیں اس میں جلد نمبر، سورہ نمبر، آیت نمبر، حدیث نمبر، صفحہ نمبر دیں۔ ہمیں فائنڈ کرنے میں پرو بلم ہوتی ہے۔ **محمد غلام جیلانی، کوٹہ، راجستھان**

السلام علیکم، الحمد للہ میں نے جولائی کا رسالہ مطالعہ کیا، اس کے مطالعہ سے رمضان کے بہت سارے مسائل حل ہوئے۔

ایم۔ جی فاروقی

آپ اپنے تأثرات ای میل یا سیل فون کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔
ہمارا میل اور سیل فون نمبر یہ ہے:
E-mail: khizrerah@gmail.com
Mobile: 9312922953

ماہنامہ خضر راہ کے نئے قارئین کے لیے ایک خوشخبری

شاہ صفی اکیڈمی کی جانب سے خوبصورت اور مضبوط جلد میں

پرانے شماروں کا مجموعہ

قیمت: 300/روپے

آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:

ماہنامہ خضر راہ، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) یو پی۔ پن کوڈ:212213

Mob: +91-7860604036 / +91-9312922953

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اباحت	جائز کرنا، جائز ہونا، جائز	حزن	ملال
اجرام سماوی	آسمانی اجسام، ستارے اور سیارے وغیرہ	حس	احساس
احتساب	حساب لینا، جائزہ لینا	خودساختہ	اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات
احسن	سب سے اچھا	خیر کثیر	بہت زیادہ بھلائی
ارتکاب کرنا	ملوث ہونا، برے عمل کو انجام دینا	داعی	دعوت دینے والا، دین کا مبلغ
استحباب	کسی چیز کا پسندیدہ ہونا	رجوع	لوٹنا، توبہ کرنا، رابطہ کرنا
اسماء الرجال	علم حدیث میں راویوں کے درجات	ساکن	ٹھہرا ہوا، رکا ہوا
اضطراری کیفیت	مجبوری وبے اختیاری کی حالت	شاذ	کم یاب، جو چیز کم پائی جائے
اعتدال	درمیانہ روی	شجر ممنوعہ	منع کیا ہوا درخت، مراد ناجائز وحرام
بالاجماع	بالاتفاق	شمس	سورج
بخالت	کنجوسی	شواہد	دلائل
بداہت	وضاحت، دودو چار کی طرح	صداقت	سچائی
بری الذمہ	جس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہو	ضلالت	گمراہی
بعید	دور، مشکل	طاعت	پیروی
بیضوی	انڈے کی شکل کی، گول	ظاہر نصوص	قرآن وحدیث کے ظاہری آیات
پندار	غرور وتکبر	عقوبت	سزا
تطبیق	موافقت	علامتیں	نشانیاں
تحویل قبلہ	قبلے کی تبدیلی	عبث	بے کار
تہدید	ڈرانا دھمکانا	عموم بلویٰ	ایسی بلا جو عام ہوجائے، جس سے بچنا ممکن نہ ہو
ثمرات	نتائج، پھل	عناد	دشمنی

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عنداللہ	اللہ کے نزدیک	مسترد	ردکیاہوا
عیب جوئی	عیب ڈھونڈنا	مستفتی	فتویٰ پوچھنے والا
عیب چینی	عیب نکالنا	مشاہدہ	دیکھنا
عیوب	عیب کی جمع	مشرق	پورب
فریقین	دوگروپ	مصنوعی	بناوٹی، بنایاہوا
کذاب	جھوٹا	معتقدین	عقیدت رکھنے والا
کشادہ قلبی	کھلے دل سے	مغرب	پچھّم
کہکشاں	ستارے	مفسر	قرآن کی تفسیر کرنے والا
گداگر	بھکاری	مقروض	قرض دار
قبض	باندھنا، رکاوٹ، مشکل	منکشف	واضح، کھلا ہوا
قطعی	یقینی	موذی	تکلیف دہ
مابین	درمیان میں آنے والی چیز	مہلک	ہلاک کرنے والی چیز
متحدہ	متفقہ، اکٹھا	نادانستہ	انجانے، بے جانے بوجھے
متحرک	حرکت میں رہنے والی چیز	ناقدین	نقد کرنے والا
مجادلہ	جھگڑنا	نصب العین	مطمح نظر، مقصود ومطلوب
مجتہد	اجتہاد کرنے والا، محنتی	نفاق	منافقت، دل میں کچھ اور زبان پہ کچھ
معزز	عزت والا	نقائص	برائیاں، خامیاں
متکلم	بولنے والا، عقیدے کا علم رکھنے والا	نکیرین	قبر میں آنے والے دوفرشتے منکر ونکیر
متنفر	نفرت کرنے والا، بیزار	وضع	کسی بات کو گڑھنا
مدبر	تدبیر کرنے والا	وضاع	بات گڑھنے والا، حدیث گڑھنے والا
مستحق	حق دار	ہیئت داں	فلکیات کا عالم، Astrologist

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آباد و اطراف

ابومیانز شاہی اسٹور، (نرالا سویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055
محمد قیس خان، ممتاز العلوم، تمئی، کوشامبی۔9936890704
محمد زبیر عالم، گریاواں، منصور آباد، الہ آباد-9795252994
مکتبہ نور، نوراللہ روڈ، الہ آباد۔9415646355
محمدیہ بک ڈپو، اسٹیشن روڈ، کھاگا، فتحپور۔9936958324
محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
مولانا منور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
فیاض الحسن بک سیلر، نئی سڑک، کانپور، 9936805213
عمران احمد، بابو پوروا، کانپور، 9839101833
منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، پیپر مارکیٹ، کانپور۔8960539848
مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523
حافظ محمد ظہیر، شکار پور روڈ، بلند شہر۔9058220141

ممبئی و اطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، دھاراوی، ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراہیم، شولا پور، مہاراشٹر-9421067863
ابراہیم، منگل گیری، شولا پور-9421067863
عبد الوہاب، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر، سکندر آباد، حیدر آباد-27716760
محمد عارف دانش رضوی، زیتون پورہ، بھیونڈی.9823683348
خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386
محمد ہاشم، دار العلوم فیض صدیقیہ، سوجا شریف، باڑمیر، راجستھان

جنوبی ہند و اطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263
مولانا مشتاق، بیلگام، کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، .H.K.P روڈ، بنگلور-9343324034
غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623
قریشی نیوز ایجنسی، رجک سنیما روڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458
حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382
روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی و اطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854
راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739
مولانا شفیق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹینڈ، مہرولی، دہلی۔9250225954
حاجی حبیب اللہ، نیوسیلم پوری، نئی دہلی۔9818225177
جہانگیر محسن بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، آگرہ۔7500127143
حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ، 7417842567

کولکاتا و اطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔9330643486
خانقاہ نعمتی، مٹیا برج، کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ، فیض الاسلام، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، ٹکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827
نوری بک ڈپو، پاچھورسیا، گنجریا بازار، اتر دیناجپور۔09734035478
انجمن وابستگان سلاسل تصوف، گنجریا، اسلام پور۔08972468561

بہار و اطراف

نوری بک سیلر، پورب چوک، بائسی، پورنیہ۔08986235393
امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
اقبال بک ڈپو، مدرسہ مارکیٹ، اورنگ آباد، 9122471549
مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919
رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679
دار العلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097
عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

شرح اشتہارات اور سالانہ ممبرشپ کی تفصیل

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia,Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Name:.....

Village:.....

City.....State.....Pin Code:.....

Tel. No:.....E-mail:.....

MAHNAMA KHIZR-E-RAH SUBSCRIPTION FARE:

One Year	:	200
Five Years	:	900
Life Time	:	5000

ADVERTISING RATES:

Cover page Colour	Half Page Colour	Black & White
Back Cover 10000.00	Back Cover 5000.00	Full Page 3000.00
Front Inside Cover 8000.00	Front Inside Cover 4000.00	Half Page 2000.00
Back Inside Cover 8000.00	Back Inside Cover 4000.00	

ADVERTISING AND SUBSCRIPTION OFFICE

Shah Safi Academy, Jamia Arifia,
Saiyed Sarawan, Kaushambi,
Allahabad,(UP) Pin: 212213
Mob: 9312922953, 08382923993
E-mail: khizrerah@gmail.com